بسم اللہ الرحمن الرحیم

مترجم کے قلم سے

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء و المرسلين نبينا محمد و على آله و صحبه اجمعين ومن تبعهم باحسان إلى يوم الدين - - - وبعد !

رمضان المبارک کا مہینہ وہ مہینہ ہے جسے سید الشہور، شہر التوبہ اور سال کا افضل ترین مہینہ ہونے کا شرف حاصل ہے، اس مبارک مہینہ کو اللہ تعالی نے اپنے فضل و کرم سے بہت سی فضیلتوں سے نوازا ہے، اس مبارک مہینہ میں دنیا کی سب سے افضل کتاب افضل ترین نبی حضرت محمد مصطفی ﷺ پر نازل ہوئی، اس مبارک مہینہ کی آمد پر جنت کے تمام دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور جہنم کے سارے دروازے بند کردئے جاتے ہیں، اس مبارک مہینہ کی برکات سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کی خاطر سرکش جنوں اور شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے، اس مبارک مہینہ میں جس قدر عبادتیں ایک جگہ جمع ہیں کسی دوسرے مہینہ میں نہیں دیکھی جاتیں بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ تمام ارکان اسلام سے متعلقہ عبادتیں اس مبارک مہینہ میں مشروع ہیں جیسے روزہ، تراویح، صدقہ و خیرات اور عمرہ وغیرہ وغیرہ۔

یہی وجہ ہے کہ تمام مسلمانوں کے نزدیک اس مہینہ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ عام مہینوں میں نماز کا تارک بھی اس کے آتے ہی نماز کا پابند بن جاتا ہے، عام دنوں میں نماز باجماعت کا چھوڑنے والا اس ماہ میں باجماعت نماز ادا کرنے لگتا ہے، پورا سال قرآن مجید کو ہاتھ تک نہ لگانے والا بندہ اس مہینہ کے آتے ہی کم یا زیادہ حسب استطاعت قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے، حتی کہ ہم نے بعض ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے کہ جو عام دنوں میں اپنی داڑھیاں چھلاتے ہیں وہ پورے رمضان میں اپنی داڑھی کو ہاتھ نہیں لگاتے۔

قطع نظر اس سے کہ ان کے اس عمل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ عرض کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے وہ اس مبارک مہینہ کی آمد پر نیکیوں کی طرف راغب اور برائیوں سے دور رہتا ہے۔

اس مہینہ میں روزے کے علاوہ جس عمل خیر کا سب سے زیادہ اہتمام ہوتا ہے وہ نماز تراویح ہے بلکہ رمضان کا روزہ اور نماز تراویح دونوں لازم وملزوم سمجھے جاتے ہیں حتی کہ آپ کو اس مہینہ میں ایسے لوگ بھی ملیں گے جو فرض نمازوں کو وہ اہمیت نہیں دیتے جو نماز تراویح کو دیتے ہیں، وہ فرض نماز جماعت سے تو چھوڑ دیں گے لیکن تراویح پڑھنے کا اہتمام ضرور کریں گے، اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ " [1]

"جس شخص نے حالت ایمان و بنیت ثواب رمضان المبارک کا قیام کیا { نماز تراویح پڑھا} اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کردئے گئے"۔

---

[1] - صحیح بخاری: ۱۹۰۱، الصوم، صحیح مسلم: ۷۶۹، المسافرین، بروایت ابوہریرہ۔

البتہ جو بات افسوسناک ہے وہ یہ ہے کہ دیگر امور عبادت کی طرح یہ عبادت بھی ایک رسمی چیز بن کر رہ گئی ہے اور اس میں امت نے بہت سی تبدیلیاں کر رکھی ہیں، چنانچہ نہ تو رکعات تراویح کی اس مقدار کا لحاظ رکھا جاتا ہے جو نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین سے ثابت ہیں اور نہ ہی اس کیفیت کا اہتمام کیا جاتا ہے جو اس مبارک عبادت سے متعلق حدیثوں میں مذکور ہے بلکہ اگر ایک غیر جانبدار شخص حدیثوں میں مذکور تراویح کی رکعتوں اور کیفیت کو سامنے رکھے اور دوسری طرف ہماری رسمی تراویح کو دیکھے تو دونوں میں زمین وآسمان کا فرق پائے گا، حالانکہ چاہئے تو یہ تھا کہ یہ آخرت کا مسافر اس مبارک مہینہ میں اس مبارک عبادت سے متعلق اس عدد و کیفیت کا لحاظ رکھتا جو حدیثوں میں مذکور ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس مبارک عبادت کے متعلق اس کی صحیح رکعات اور کیفیت کا اہتمام کرنے والے اور اسے لوگوں کے سامنے بیان کرنے والے علمائے ربانی موجود نہیں تھے؟ ایسا ہرگز نہیں بلکہ ہر زمانے میں علمائے حق نے اس مبارک عبادت کی حقیقی حیثیت کو واضح کیا ہے کہ اس کی رکعتیں کتنی ہیں، اس کی کیفیت کیا ہونی چاہئے اور اس کا وقت کیا ہے؟ یہ ساری باتیں واضح کر دی گئی ہیں، خصوصا ہمارے ہندوپاک کے علمائے اہل حدیث نے تو اس سلسلے میں اتنا کام کیا ہے کہ اب اس پر کسی اضافہ کی نہ تو گنجائش ہے اور نہ ہی ضرورت۔

البتہ عصر حاضر میں شام کے علاقے میں علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس مبارک عبادت سے متعلق لوگوں کی غلطیوں کو محسوس کیا اور " صلاۃ التراویح " نام سے ایک چھوٹی مگر جامع کتاب تالیف فرمائی جس میں تین باتوں پر کافی زور دیا :

۱. نبی کریم ﷺ سے نماز تراویح کی رکعتیں صرف گیارہ ہی ثابت ہیں اور جس روایت میں بیس رکعت کا ذکر ہے وہ ضعیف اور ناقابل استدلال ہے۔

۲. مشہور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت تراویح کی بنیاد رکھی وہ بالکل غلط ہے، نہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت کا حکم دیا اور نہ ہی آپ رضی اللہ عنہ نے خود بیس رکعت تراویح پڑھی اور نہ ہی آپ کے زمانے میں بیس رکعت تراویح پڑھی گئی، بلکہ علامہ مرحوم نے تو یہاں تک ثابت کیا کہ کسی بھی بڑے صحابی سے بیس رکعت پڑھنا ثابت نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق گیارہ رکعت ہی پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ یہ ساری باتیں علامہ مرحوم نے خالص علمی انداز اور ٹھوس علمی دلائل کی روشنی میں ثابت کی ہیں۔

۳. ایک تیسری بات جو اس کتاب میں نئی ہے وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ نے مختلف اوقات میں رات کی نماز کو کن کن کیفیتوں اور کتنی تعداد میں پڑھی ہے، تاکہ ہر متبع سنت اس پر آسانی سے عمل کر سکے۔

چونکہ یہ کتاب قدرے طویل تھی اور اس میں خالص علمی بحثیں تھیں جس سے عام لوگ اور طویل بحثوں سے اکتا جانے والے حضرات کم ہی مستفید ہو سکتے تھے، لہذا علامہ مرحوم نے خود ہی اس کا اختصار پیش کیا اور اس میں اعتکاف وغیرہ سے متعلق بعض مفید باتوں کا اضافہ بھی کیا ہے، زیر نظر کتابچہ علامہ مرحوم کے اسی مختصر کا ترجمہ ہے جو کہ ناظرین کے ہاتھوں میں ہے، البتہ کتابچہ پڑھنے سے قبل چند باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

[۱]علامہ مرحوم کے مذکورہ" رسالہ" کے دوحصے ہیں،" متن اور حاشیہ"

متن کے ترجمہ میں میں نے کوشش کی ہے کہ ترجمہ لفظ بلفظ اور بامحاورہ ہو،بہت کم جگہیں ایسی ملیں گی کہ وہاں ترجمانی کا اسلوب اختیار کیا گیاہے،البتہ جہاں تک حاشیہ کا تعلق ہے تو اس کا ترجمہ لفظ بلفظ نہ کرکے اس میں ہم نے دو طرح کی تبدیلیاں کی ہیں:

اوّل : حوالہ میں علامہ مرحوم کے اسلوب کی پابندی نہیں کی ، کیونکہ علامہ مرحوم نے اس کتابچہ میں علمی اسلوب اور اپنی دوسری کتابوں کی طرف اشارے سے زیادہ کام لیاہے،اس سلسلے میں ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ حاشیہ کو آسان بنادیں اور علامہ مرحوم نے جہاں اپنی کسی کتاب کا حوالہ دیاہے اس کتاب کی طرف رجوع کرکے حوالہ کو مکمل کردیں۔

دوم : علامہ مرحوم نے حاشیہ میں بعض جگہ اگر کوئی ایسی علمی بات بیان کی ہے جو عام لوگوں کے فائدے کی نہیں ہے تو ہم نے اسے حذف کردیاہے۔

اسی طرح اگر حاشیہ میں کسی کلمہ کا معنی واضح کیا گیاہے اور ترجمہ میں وہ معنی آگیاہے تو حاشیہ سے ہم نے اسے حذف کردیاہے۔

[۲] علامہ مرحوم کا یہ مختصر رسالہ جس کا ترجمہ ناظرین کے ہاتھوں میں ہے اس کا دوسرا ایڈیشن میرے سامنے ہے جس کے شروع میں دوسرے ایڈیشن سے متعلق ایک صفحہ کا مقدمہ ہے،عام قاری کے لئے یہ غیر ضروری تھا لہذا حذف کردیاہے،البتہ پہلے ایڈیشن کے مقدمہ کا ترجمہ اس کتابچہ میں موجود ہے،ہاں! مگر یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس مقدمہ کا وہ حصہ جس میں علامہ مرحوم نے " شیخ اسماعیل انصاری" کی بعض علمی کوتاہیوں کی نشاندہی کی ہے اسے حذف کردیاہے،اس لئے کہ شیخ مذکور نے علامہ مرحوم کی کتاب" **صلاۃ التراویح**"کی تردید لکھی تھی،لیکن چونکہ وہ باتیں خالص علمی تھیں اور عام قاری کو اس سے نہ صرف کوئی فائدہ نہ تھا بلکہ مزید ذہنی الجھاؤ کا خطرہ تھا اس لئے اسے حذف کردیا گیاہے،کیونکہ اس رسالہ سے میرا مقصد عام اردو داں طبقہ کے سامنے رمضان سے متعلق مفید باتیں رکھناہے،انہیں علمی بحثوں میں الجھانا نہیں ہے۔

[۳] جس طرح ہر عالم و مجتہد کا اپنا اجتہاد ہوتاہے اور بسا اوقات عام علماء سے ہٹ کر اس کے کچھ تفردات ہوتے ہیں اسی طرح علامہ مرحوم کے بھی اپنے کچھ تفردات ہیں،یعنی بعض مسائل میں علامہ کی تحقیق دوسرے علماء کی تحقیق سے مختلف ہے، بالخصوص وہ مسائل جو ہمارے ہندوپاک کے علمائے اہل حدیث کے نزدیک متفق علیہ چلے آرہے ہیں،ان مسائل میں سے بعض کا ذکر اس رسالہ میں بھی موجود ہے مثلاً علامہ مرحوم کی رائے میں دعائے قنوت رکوع سے قبل متعین ہے،اعتکاف صرف تین مسجدوں، مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصی میں ہی ہو سکتاہے۔

علمی دنیا سے تعلق رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ ٹھوس اور علمی دلائل کی بنیاد پر اختلاف رائے کوئی بری چیز نہیں ہے، بالخصوص علامہ مرحوم تو اپنے وقت کے امام، مجدد اور مجتہد ہیں، لیکن بری بات یہ ہے کہ کسی عالم کی کسی رائے کو بنیاد بنا کر امت میں تفرقہ ڈالا جائے اور اپنے مخالف کو بدعتی و کم علم کہا جائے اور اس کی رائے کا احترام نہ کیا جائے،ایسا ہی کچھ ہندوپاک میں ہوا کہ علامہ مرحوم کے بعض جذباتی،ادب خلاف سے عاری اور کم تجربہ کار شاگردوں اور معتقدین نے ان مسائل کو بنیاد بنا کر جماعت اہل حدیث میں تفرقہ ڈالنا چاہا،ہندوپاک کے علمائے اہلحدیث اور وہاں کے مدارس سے تعلیم یافتہ اہل علم کو جاہل تک قرار دیا، بلکہ جنوب ہند کے ایک شہر میں رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھے ہوئے لوگوں کو اپنا اعتکاف توڑ کر گھروں کو جانے پر مجبور کیا گیا،اسی طرح ہندوستان کے ایک مشہور صنعتی شہر کی اہلحدیث جامع مسجد میں جہاں ایک عرصہ سے دعائے قنوت رکوع کے بعد پڑھی جاتی تھی اسے بدل کر رکوع سے

پہلے کر دیا گیا اور امام کو دعائے قنوت میں " اللھم اھدنا " کے بجائے " اللھم اھدنی " یعنی جمع کے بجائے واحد کا صیغہ پڑھنے پر مجبور کیا گیا، وغیرہ وغیرہ۔

اس لئے علامہ مرحوم کی تردید کی غرض سے نہیں بلکہ نفس مسئلہ کو واضح کرنے اور علمائے اہلحدیث کے موقف کی قوت کو واضح کرنے کے لئے تین مسائل سے متعلق ایک مختصر سی بحث رسالہ کے آخر میں بطور ضمیمہ رکھ دی گئی ہے، وہ مسائل یہ ہیں:

۱. **مساجد ثلاثہ میں اعتکاف کا مسئلہ۔**
۲. **دعائے قنوت وتر رکوع کے بعد یا رکوع سے قبل۔**
۳. **دعائے قنوت میں جمع کے صیغے کا استعمال۔**

آخر میں محترم بھائی شیخ شبیر احمد صاحب نورانی شکریہ کے حقدار ہیں جنہوں نے اس کتابچہ پر نظر ثانی کی اور متعدد جگہ لغوی وفنی اصلاح کے ساتھ ساتھ مفید علمی مشوروں سے نوازا "جزاہ اللہ أحسن و أوفر ما یجزی بہ عبادہ الصالحین "، اسی طرح عزیز بھائی شیخ عبد السلام العمری کا بھی بہت بہت شکریہ جنہوں نے اس کتابچہ کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کا کام بڑی محنت سے کیا، "جزاہ اللہ خیرا و سدد خطاہ" ۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اللہ تعالی ہر مسلمان کو قول و عمل میں اخلاص و سداد کی توفیق بخشے اور میری اس مختصر کوشش کو میرے والدین کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وأصحابه وبارك وسلم.

مقصود الحسن فیضی

الغاط ، سعودی عرب

۱۶/۰۵/۱۴۳۰ھ

مؤلف کا مقدمہ

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا وسيئات أعمالنا ، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له ، و أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله . أما بعد

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول بسند صحیح مروی ہے ـــ جو فی الواقع حدیث مرفوع[2] کے حکم ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا لَبِسَتْكُمْ الْفِتْنَةُ يَهْرَمُ فِيهَا الْكَبِيرُ وَيَرْبُو فِيهَا الصَّغِيرُ إِذَا تُرِكَ مِنْهَا شَيْءٌ قِيلَ تُرِكَتْ السُّنَّةُ قَالُوا وَمَتَى ذَاكَ قَالَ إِذَا ذَهَبَتْ عُلَمَاؤُكُمْ وَكَثُرَتْ قُرَّاؤُكُمْ وَقَلَّتْ فُقَهَاؤُكُمْ وَكَثُرَتْ أُمَرَاؤُكُمْ وَقَلَّتْ أُمَنَاؤُكُمْ وَالْتُمِسَتْ الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْآخِرَةِ وَتُفُقِّهَ لِغَيْرِ الدِّينِ " [3]

"اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب کوئی فتنہ تمہیں چاروں طرف سے گھیر لے گا، اسی فتنے میں بڑا آدمی بوڑھا ہوگا اور بچہ بڑا ہو جائے گا، اور وہ لوگ اسے سنت سمجھ کر اپنا لیں گے، اگر اس میں سے کسی چیز کو چھوڑ دیا گیا تو اعتراض کیا جائے گا کہ سنت ترک کر دی گئی، حضرت ابن مسعود کے شاگردوں نے سوال کیا: ایسا کب ہوگا؟ جواب میں انہوں نے فرمایا: جب تمہارے علماء ختم ہو جائیں گے، پڑھنے والے تو بہت زیادہ ہوں گے مگر سمجھنے والے کم ہوں گے، حکمران لوگ زیادہ ہوں گے البتہ امانت دار کم ہی ملیں گے، آخرت کے عمل کے ذریعہ دنیا کمائی جائے گی اور دین کے لئے نہیں بلکہ [دنیا کے لئے] علم حاصل کیا جائے گا"۔

میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبوت کی ایک نشانی اور رسالت کے سچائی کی دلیل ہے، اس لئے کہ عصر حاضر میں اس حدیث کا ہر جملہ ثابت ہو چکا ہے، اسی میں بدعت کی کثرت اور لوگوں کا اس سے متاثر ہونا بھی داخل ہے کہ لوگ بدعت کو سنت سمجھ بیٹھے ہیں اور اسے قابل اتباع دین بنا لئے ہیں، چنانچہ جو لوگ حقیقت میں اہل سنت ہیں ایسے کام کو چھوڑ کر اگر کسی ثابت سنت کی پیروی شروع کر دیتے ہیں تو اعتراض کیا جاتا ہے کہ " سنت ترک کر دی گئی "

یہی کچھ ہم اہل سنت کے ساتھ ملک شام میں پیش آیا کہ جب ہم نے گیارہ رکعت نماز تراویح کی سنت کو زندہ کیا، ساتھ ساتھ اطمینان، خشوع اور اس بارے میں ثابت مختلف اذکار کا بھی حتی الامکان اہتمام کیا حالانکہ یہ ایسے کام تھے جنہیں بیس رکعت تراویح کا اہتمام کرنے والوں نے چھوڑ رکھا تھا، چنانچہ جب ہم نے اپنا رسالہ صلاۃ التراویح شائع کیا جو ہماری کتاب " تسدید الاصابہ إلی من زعم نصرۃ الخلفاء الراشدین والصحابۃ" کا دوسرا رسالہ ہے تو ان کے جذبات بھڑک اٹھے اور گویا ان پر قیامت گزر گئی، نیز اس لئے بھی کہ جب لوگوں نے دیکھا کہ اس رسالہ میں درج ذیل امور کو محققانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ :

---

[2] - اگر کوئی صحابی کوئی شرعی حکم، ثواب وعقاب یا کوئی غیبی خبر دے جس میں عقل وقیاس کو دخل نہ ہو تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس صحابی نے یہ چیز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی سن کر بیان کی ہے، اس بات کو حدیث مرفوع کے حکم میں کہا جاتا ہے۔

[3] - سنن الدارمی، ج: ۱، ص: ۶۴، مستدرک الحاکم، ج: ۴، ص: ۵۱۴، وغیرھا، امام دارمی رحمہ اللہ نے اس اثر کو دو سندوں سے نقل کیا ہے جن میں سے ایک کی سند صحیح اور دوسرے کی حسن ہے۔

۱) اللہ کے رسول ﷺ نے تراویح میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھی۔
۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم دار رضی اللہ عنہما کو حکم دیا تھا کہ سنت صحیحہ کے مطابق لوگوں کو گیارہ رکعت ہی پڑھائیں۔
۳) اور وہ روایت جس میں یہ مذکور ہے کہ لوگ عہد عمری میں رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے، وہ شاذ وضعیف ہے، کیونکہ وہ ان ثقہ راویوں کے بیان کے خلاف ہے جو گیارہ رکعت بیان کرتے ہیں اور یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ رکعت کا ہی حکم دیا تھا۔
۴) اور اگر اس شاذ روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے تو صحیح وثابت روایت پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ وہ تعداد رکعت میں سنت کے موافق ہے، نیز اس شاذ وضعیف روایت میں یہ کہیں بھی نہیں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت کا حکم دیا تھا، بلکہ اس میں صرف یہ مذکور ہے کہ لوگوں نے بیس رکعت پڑھی، اس کے برعکس اس صحیح روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا۔
۵) نیز اگر بیس رکعت کا اثر صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ لازما اسی پر عمل کیا جائے اور سنت کے مطابق صحیح روایت پر عمل کرنا چھوڑ دیا جائے اور اس پر عمل کرنے والے کو مسلمانوں کی جماعت سے خارج قرار دیا جائے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ اس سے صرف یہی ثابت ہوگا کہ اس پر عمل کرنا بھی جائز ہے، البتہ یہ بات یقینی ہے کہ جو عمل اللہ کے رسول ﷺ نے کیا اور اس پر مداومت کی وہی افضل ہے۔
۶) اس کتاب میں ہم نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ صحابہ کرم میں سے کسی ایک سے بھی بیس رکعت نماز تراویح ثابت نہیں ہے۔
۷) اس دعوے کو بھی باطل ثابت کیا ہے کہ صحابہ کرام کا بیس رکعت نماز تراویح پر اجماع تھا۔
۸) { اس رسالے میں } ہم نے یہ دلیل بھی بیان کردی ہے کہ سنت سے رکعتوں کی جتنی تعداد ثابت ہے اس کا التزام واجب ہے اور ان علماء کا نام بھی ذکر کردیا ہے جو اس عدد پر زیادتی کے عدم جواز کے قائل ہیں۔

ان کے علاوہ دیگر بہت سے فائدے جو کسی دوسری کتاب میں ایک جگہ نادر ہی پائیں گے، اور یہ ساری باتیں صحیح احادیث اور قابل اعتماد آثار سے واضح دلائل کی بنیاد پر بیان کی گئیں ہیں، جس کی وجہ سے مقلدین علماء کی ایک جماعت نے ہمارے خلاف چاروں طرف سے محاذ کھول دیا، بعض نے تو اپنے درسوں اور تقریروں میں ہمارا رد کیا اور بعض نے ہماری سابقہ کتاب کی تردید میں کتابیں تحریر کیں، [4] حالانکہ وہ سب کے سب علم نافع اور اس کی کسی بھی علامت سے کورے ہیں بلکہ یہ کتابیں گالی گلوچ پر مشتمل ہیں، جیسا کہ باطل پرستوں کا شیوہ رہا ہے کہ جب بھی وہ حق اور اہل حق کے خلاف بھڑکتے ہیں تو { ایسی ہی زبان استعمال کرتے ہیں } اس لئے میں کوئی بڑا فائدہ نہیں محسوس کرتا کہ ان پر رد لکھنے اور ان کی کور چشمی بیان کرنے میں اپنا وقت ضائع کروں، کیونکہ ایسے لوگوں کی ایسی کثرت ہے کہ ان پر رد کے لئے پوری عمر بھی کافی نہیں ہے، اللہ ان تمام لوگوں کو راہ ہدایت دکھائے

[4] -میرے علم کے مطابق ان میں سے سب سے آخری شیخ محمد علی الصابونی پر جنھوں نے اپنے کتابچہ جس کا نام جو صرف برائے نام ہی ہے " الھدی النبوی فی صلاۃ التراویح" رکھا ہے، اس پر رد کے لئے میری کتاب " سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ" جلد چہارم کا مقدمہ دیکھئے۔

{ اس کے بعد شیخ رحمہ اللہ نے بطور مثال صرف ایک صاحب جن کا نام شیخ اسماعیل انصاری ہے اور وہ دار الافتاء الریاض میں کام کرتے ہیں،ان کے کتابچہ پر کچھ علمی گرفت کی ہے، لیکن چونکہ وہ خالص علمی باتیں ہیں جس سے عوام بلکہ چھوٹے طالب علم بھی مستفید نہیں ہو سکتے اس لئے اسے حذف کر دیا گیا ہے، آخر میں علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں }

"چونکہ ہمارے مذکورہ کتابچہ صلاۃ التراویح کی طباعت پر کافی مدت گزر چکی تھی اور اسے دوبارہ طباعت کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، نیز اس کتابچہ نے بحیثیت دلائل ومقاصد اپنا ہدف پورا کر دیا تھا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا، جس میں سب سے اہم مقصد نماز تراویح سے متعلق لوگوں کو سنت کی طرف رہنمائی کرنا اور سنت کے مخالفین کی تردید کرنا تھا، حتیٰ کہ ملک شام، اردن اور دوسرے اسلامی ملکوں کی بہت سی مسجدوں میں یہ سنت رائج ہو گئی والحمد للہ بنعمتہ تتم الصالحات، اس لئے ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ خالص علمی اسلوب پر اس کا اختصار پیش کر دوں، جس میں کسی کی تردید شامل نہ ہو، جیسا کہ مثل مشہور ہے کہ " **اپنی بات کہو اور چلتے بنو** " نیز وہ اختصار ایسا ہو کہ اصل کتاب کے تمام علمی فوائد پر مشتمل ہو، مزید یہ کہ بطور اضافی فائدہ کے اس میں کچھ دیگر مفید باتوں کا اضافہ کر دیا جائے"۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ہم دعا کرتے ہیں کہ پہلے کتابچہ کی طرح اس سے بھی فائدہ پہنچائے اور مجھے اس پر اجر سے نوازے، وہی ذات ہے جو بہت ہی صاحب کرم ہے وعنایت ہے اور اسی سے مانگا جا سکتا ہے۔

قیام رمضان ﴿ تراویح ﴾

رمضان کی راتوں میں قیام کی فضیلت:

[۱] اس بارے میں دو حدیثیں وارد ہیں:

پہلی حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیام رمضان کی ترغیب دلاتے رہتے، البتہ پابندی کرنے کے لئے صحابہ کو اس کا حکم نہ دیتے، چنانچہ آپ فرماتے:

"مَنْ قَامَ رمضانَ إيمَانًا واحتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِه" [5]

" جو شخص بحالت ایمان اور ثواب کی نیت سے رمضان کا قیام کرے گا اس کے تمام ماسبق گناہ معاف کر دئے جائیں گے "

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور معاملہ ایسا ہی رہا [6] پھر یہی طریقہ حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور خلافت تک چلتا رہا۔ [7]

دوسری حدیث: حضرت عمرو بن مرہ الجہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلۂ قضاعہ کا ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول { صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم } اگر میں اللہ تبارک وتعالی ہی کے معبود بر حق ہونے اور آپ کے اللہ تعالی کے رسول ہونے کی گواہی دوں، پانچوں وقت کی نماز پڑھوں، ماہ رمضان کا روزہ رکھوں اور قیام کروں، اور زکاۃ ادا کروں تو { میرے بارے میں } آپ کا کیا خیال ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" من مات علی ھذا کان من الصدیقین و الشھداء " [8]

" جس کا بھی انتقال اس حالت پر ہوا، اس کا شمار صدیقوں اور شہیدوں میں ہو گا"۔

شب قدر اور اس کی تعیین:

[۲] رمضان المبارک کی سب سے افضل رات شب قدر ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے :

"مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إيمَانًا واحتِسَابًا (ثم وقفت له) غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِه" [9]

---

[5] - صحیح بخاری: ۱۹۰۱، الصوم، صحیح مسلم: ۷۶۹، صلاۃ المسافرین، الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔

[6] - یعنی تراویح جماعت سے نہیں پڑھی جاتی تھی۔

[7] - حوالہ سابقہ، علامہ البانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی تخریج ارواء الغلیل: ۱۴/۴، نمبر ۹۰۶ اور صحیح سنن ابوداود: ۱۲۴۱ میں بھی موجود ہے۔

[8] - صحیح ابن خزیمہ: ۲۲۱۲، ج:۳ص: ۳۴۰، صحیح ابن حبان: ۱۹، { صحیح الموارد، ج:۱، ص: ۱۰۴ }، نیز دیکھئے صحیح الترغیب: ۹۹۳، ج:۱، ص: ۴۱۹۔

[9] - صحیح بخاری: ۲۰۰۸، صلاۃ التراویح، صحیح مسلم: ۷۶۰، صلاۃ المسافرین بروایت ابوہریرہ، یہی حدیث مسند احمد، ج:۵، ص: ۳۱۸ میں حضرت عبادۃ بن الصامت سے مروی ہے، الفاظ مسلم شریف اور مسند احمد کے ہیں۔

" جس شخص نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے شب قدر کا قیام کیااور شب قدر اسے مل بھی جائے تو اس کے تمام سابقہ گناہ معاف ہو گئے " ۔

[۳] راجح قول کے مطابق شب قدر رمضان کی ستائیسویں شب ہے اور اکثر حدیثیں اسی پر دلالت کرتی ہیں، مثلا حضرت زر بن حبیش رحمہ اللہ سے مروی حدیث میں ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو یہ بتلایا گیا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جو شخص پورا سال قیام کرے گا وہ لیلۃ القدر پالیگا، زر بن حبیش کہتے ہیں، میں نے سنا کہ اس کے جواب میں حضرت ابی بن کعب نے فرمایا: عبد اللہ بن مسعود پر اللہ کی رحمت ہو، ان کا مقصد یہ ہے کہ لوگ { صرف رمضان ہی میں قیام پر } بھروسہ نہ کر بیٹھیں، اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود بر حق نہیں، شب قدر رمضان میں ہے، حضرت ابی بن کعب بغیر کسی تردد و استثناء کے قسم کھاتے اور فرماتے: اللہ کی قسم میں جانتا ہوں کہ وہ کونسی شب ہے؟ یہ وہی رات ہے جس کے قیام کا ہمیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم دیتے تھے، یہ رمضان کی ستائیسویں شب ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ اس دن صبح کو سورج اس حال میں طلوع ہوتا ہے کہ بالکل صاف ہوتا ہے، اس کی تیز شعائیں نہیں ہوتیں { یہ بیان کرنے کے بعد } حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یونہی بتایا ہے۔[10]

قیام رمضان { تراویح } کے لئے جماعت مشروع ہے:

[۴] قیام رمضان کے لئے جماعت جائز ہے بلکہ اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا افضل ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت سے نماز تراویح پڑھائی اور اس کی فضیلت بھی بیان کی ہے، جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رمضان کا روزہ رکھا، پورے مہینہ آپ نے ہمیں قیام نہیں کرایا، البتہ جب سات راتیں باقی رہ گئیں تو آپ نے ہمیں ایک تہائی رات تک قیام کرایا، جب چھ راتیں باقی رہ گئیں تو اس رات ہمیں قیام نہیں کرایا، پھر جب پانچ راتیں باقی رہ گئیں تو آپ نے ہمیں آدھی رات تک قیام کرایا، ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کاش آپ ہمیں رات کا باقی حصہ بھی قیام کراتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"إن الرجل إذا صلى مع الامام حتى ينصرف حسب له قيام ليلة "

"جو آدمی امام کے ساتھ فارغ ہونے تک نماز { تراویح } پڑھتا رہے تو اس کے لئے پوری رات قیام کرنے کا اجر لکھا جاتا ہے "

پھر جب چار راتیں باقی رہ گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں قیام نہیں کروایا، اور جب تین[11] راتیں باقی رہ گئی تو آپ نے اپنے اہل وعیال، عورتوں اور لوگوں کو جمع کیا اور ہمیں قیام کرایا، یہاں تک کہ سحری کے فوت ہوجانے کا خطرہ لاحق ہو گیا، پھر مہینہ کا باقی حصہ ہمیں قیام نہیں کروایا۔[12]

---

[10] ۔ صحیح مسلم: ۷۶۲، المسافرین، سنن ابوداود: ۱۳۷۸، الصلاۃ، دیکھئے صحیح ابوداود: ۱۲۷۴۔

[11] ۔ یہ ستائیسویں شب تھی اور راجح قول کے مطابق یہی شب قدر ہے، جیسا کہ اس کا ذکر آچکا ہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات اپنے اہل وعیال کو بھی جمع کیا، نیز اس حدیث سے تراویح کے لئے عورتوں کا بھی جماعت میں شریک ہونے کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا برابر جماعت سے نماز تراویح نہ پڑھنے کا سبب:

اللہ کے رسول ﷺ نے ماہ رمضان کے باقی حصے میں تراویح نہیں پڑھائی کہ کہیں رمضان میں تراویح مسلمانوں پر فرض نہ کر دی جائے { اور اگر ایسا ہوتا تو } لوگ اس کی استطاعت نہ رکھتے۔ بخاری و مسلم کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی جو حدیث گزر چکی ہے اس میں اس بات کا ذکر موجود ہے۔[13]

اس لئے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ کی وفات کے بعد یہ خوف جاتا رہا کیونکہ اب شریعت مکمل ہو چکی تھی تو اس طرح وہ علت بھی زائل ہو گئی، یعنی تراویح میں جماعت کے ترک کا سبب، اور پہلا حکم یعنی جماعت کا جواز باقی رہا، اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سنت کو زندہ کیا، صحیح بخاری وغیرہ میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔[14]

---

[12] یہ حدیث صحیح ہے جسے اہل سنن وغیرہ نے روایت کیا ہے { سنن ابوداود: ۱۳۴۵، ابواب شہر رمضان/ سنن الترمذی: ۸۰۶، الصوم/ سنن النسائی: ۱۳۶۵، الافتتاح } دیکھئے صلاۃ التراویح، ص: ۱۶، ۱۷ / صحیح ابوداود: ۲۴۵ / ارواالغلیل: ۴۴۷۔

[13] -دیکھئے رسالہ صلاۃ التراویح: ۱۲ تا ۱۴ { مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علامہ مرحوم کی ذکر کردہ مذکورہ حدیث انہیں کی کتاب صلاۃ التراویح سے نقل کر دی جائے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رمضان کی راتوں میں لوگ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں مختلف گروہوں میں بٹ کر نماز پڑھتے تھے، ہوتا یہ کہ ایک شخص کو جسے قرآن یاد ہوتا اس کے ساتھ پانچ، چھ یا اس سے کچھ کم زیادہ افراد نماز پڑھتے، ایک رات اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ اپنے حجرہ کے دروازے پر ایک چٹائی بچھادوں [یا دروازے پر لٹکا دوں] ، چنانچہ آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ حجرے کے سامنے ایک چٹائی بچھادوں، جب آپ عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے تو چٹائی پر تشریف لائے، جو لوگ مسجد میں تھے وہ بھی آپ کے پاس جمع ہو گئے، آپ ﷺ نے انہیں رات کے ایک بڑے حصے تک نماز پڑھائی، پھر آپ واپس گھر میں داخل ہو گئے، اور چٹائی وہیں پڑی رہی، جب اگلی صبح ہوئی تو لوگ رات کے وقت اللہ کے رسول ﷺ کا مسجد میں لوگوں کو نماز پڑھانے کا تذکرہ کرنے لگے، چنانچہ آنے والی رات کو اس کثرت سے لوگ جمع ہوئے کہ ان کی بھیڑ سے مسجد گونج اٹھی، اس دوسری رات کو بھی آپ [اسی چٹائی پر] تشریف لائے اور لوگوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی، اگلی صبح ہوئی تو پھر لوگ اس کا تذکرہ کرنے لگے، اب اس تیسری رات اس قدر لوگ جمع ہو گئے کہ مسجد بھر گئی، آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور لوگوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی، پھر جب چوتھی رات تھی تو مسجد لوگوں کے لئے تنگ پڑ گئی، چنانچہ آپ ﷺ لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھا کر اندر چلے آئے اور لوگ اپنی جگہ بیٹھے رہے، آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: اے عائشہ ! لوگوں کا کیا معاملہ ہے ؟ میں نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول ! جو لوگ کل مسجد میں تھے ان سے اور لوگوں نے آپ کی نماز پڑھانے کے بارے میں سنا، اس لئے جمع ہیں کہ آپ [آج بھی] انہیں نماز پڑھائیں، آپ نے فرمایا: عائشہ ! میری چٹائی لپیٹ دو، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی، آپ ﷺ نے وہ رات غفلت میں [یعنی سو کر] نہیں گزاری، البتہ لوگ اپنی جگہ جمے رہے، بعض لوگوں نے نماز، نماز کہنا شروع کر دیا، [لیکن آپ ﷺ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا] حتی کہ نماز فجر کے لئے باہر آئے، جب فجر کی نماز پڑھا چکے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، کلمۂ شہادت [یا خطبۂ مسنونہ] کے بعد فرمایا: امابعد ! اے لوگو! اللہ کی قسم بحمد للہ میں نے غفلت میں رات نہیں گزاری اور تمہارے یہاں جمع ہونے کا بھی مجھے علم تھا، لیکن مجھے اس کا خوف ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے اور پھر تم اس کی ادائیگی سے عاجز ہو جاؤ، اس لئے اے لوگو! اتنے ہی عمل کا بوجھ اٹھاؤ جتنا مسلسل اٹھا سکو، کیونکہ اللہ تعالی نہیں اکتاتا جب تک کہ لوگ خود ہی اکتا جاتے ہیں۔

ایک روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ امام زہری نے بیان کیا: اللہ کے رسول ﷺ کی وفات تک لوگوں کا یہی معمول رہا ہے [یعنی الگ الگ نماز تراویح پڑھتے رہے] حضرت ابو بکر کے دور خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ابتدائی دور خلافت تک اسی پر عمل رہا ہے۔

اس حدیث کی تخریج علامہ البانی نے صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداود، سنن النسائی، الصیام للفریابی، ابن نصر اور مسند احمد کے حوالے سے کی ہے اور بتلایا ہے کہ یہ سیاق ابن نصر اور مسند احمد کا ہے۔ دیکھئے مختصر قیام اللیل، ص: ۲۱۵/ مسند احمد، ج: ۶، ص: ۲۶۷، ۲۶۸۔

[14] -علامہ البانی لکھتے ہیں کہ اس اثر کی تخریج اور اس پر علامہ ابن عبدالبر وغیرہ کے کلام کے لئے دیکھئے مذکورہ رسالہ، ص: ۴۹، ۵۰ ۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی تخریج آگے آرہی ہے، فیضی۔

عورتوں کے لئے بھی جماعت مشروع ہے:

عورتوں کے لئے بھی مشروع ہے کہ وہ تراویح کی جماعت میں شریک ہوں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ماسبق حدیث میں اس کا ذکر آیا ہے، بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ مردوں کے امام کے علاوہ عورتوں کے لئے ایک الگ امام متعین کر دیا جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ جب انہوں نے لوگوں کو تراویح پر جمع کیا تو مردوں کی امامت کے لئے حضرت ابی بن کعب کو مقرر کیا اور عورتوں کی امامت کے لئے سلیمان بن ابی حثمہ کو مقرر کیا۔[15]

نیز حضرت عرفجہ ثقفی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں کو تراویح کی نماز پڑھنے کا حکم دیتے، مردوں کے لئے خاص امام ہوتا اور عورتوں کے لئے خاص امام متعین فرماتے، عورتوں کی امامت میں خود کرتا تھا۔[16]

میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک یہ حکم اس جگہ ہے جب مسجد اس قدر کشادہ ہو کہ ایک جماعت دوسری جماعت کے لئے باعث تشویش نہ ہو۔[17]

تراویح کے رکعتوں کی تعداد :

[۷] تراویح کی رکعتیں گیارہ ہیں، ہمارے نزدیک پسندیدہ قول یہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں اس سے زیادہ نہ پڑھا جائے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رخصت ہونے تک اس سے زیادہ نہیں پڑھا، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ماہ رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز [تراویح] سے متعلق پوچھا گیا تو جواب میں فرمایا: رمضان ہو یا غیر رمضان نبی صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، آپ چار رکعت جس کی خوبصورتی اور طوالت کے بارے میں کچھ نہ پوچھو، پھر چار رکعت پڑھتے، اس کے بھی طول و حسن سے متعلق کچھ نہ پوچھو، پھر تین رکعت { وتر } پڑھتے۔[18]

[۸] اور نمازی کو اختیار حاصل ہے کہ ان میں سے کچھ رکعتیں کم کر دے حتی کہ اگر صرف ایک رکعت وتر پر اکتفا کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور فرمان سے دلیل موجود ہے۔

---

15 ۔مصنف عبدالرزاق، ج: ۴، ص: ۲۵۸، نمبر: ۸۷۲۲، السنن الکبری للبیہقی، ج: ۲، ص: ۴۹۴، قیام رمضان ابن نصر ص: ۹۲۔

16 ۔السنن الکبری للبیہقی، ج: ۲، ص: ۴۹۴، قیام رمضان لابن نصر المروزی، ص: ۹۲۔

17 ۔یعنی عورتوں کے لئے الگ جماعت کا قیام اس صورت میں کیا جائے گا جب مسجد اتنی بڑی ہو کہ ایک جماعت دوسری جماعت کے لئے تشویش کا سبب نہ ہو، اور اگر مسجد اتنی کشادہ نہ ہو تو عورتیں یا تو مردوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جائیں بشرطیکہ عورتوں کے لئے مسجد میں باپردہ جماعت کا انتظام ہو، یا پھر وہ اپنے گھر میں ہی نماز تراویح پڑھ لیا کریں { اضافہ از مترجم مقصود الحسن } ۔

18 ۔ صحیح بخاری: ۱۱۴۷، التہجد / صحیح مسلم: ۷۳۸، صلاۃ المسافرین۔

عمل سے دلیل: جہاں تک آپ ﷺ کے عمل سے دلیل کا تعلق ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کتنی رکعتیں وتر پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: آپ ﷺ چار پھر تین رکعت وتر پڑھتے، چھ پھر تین رکعت پڑھتے اور دس پھر تین رکعت وتر پڑھتے، نہ تو سات رکعت سے کم وتر پڑھتے اور نہ ہی تیرہ رکعت سے زیادہ۔[19]

قول سے دلیل: آپ ﷺ کا فرمان یوں ہے:

"الوتر حق فمن شاء فليوتر بخمس ومن شاء فليوتر بثلاث ومن شاء فليوتر بواحدة"[20]

" وتر کی نماز حق اور ثابت ہے جو کوئی چاہے پانچ رکعت وتر پڑھے اور جو چاہے تین رکعت وتر پڑھے اور جو چاہے تو ایک رکعت وتر پڑھے" ۔

قیام { تراویح } میں تلاوت قرآن مجید:

[۹] رمضان یا غیر رمضان کی راتوں کے قیام میں تلاوت قرآن مجید کے لئے اللہ کے رسول ﷺ نے کم یا زیادہ کی کوئی ایسی حد مقرر نہیں فرمائی ہے کہ اس میں کمی بیشی نہ کی جا سکے، بلکہ خود آپ ﷺ کی قراءت مختلف ہوا کرتی تھی، کبھی مختصر اور کبھی لمبی، چنانچہ کبھی تو آپ ﷺ ہر رکعت میں سورۃ المزمل کے بقدر یعنی ۲۰ آیتیں پڑھا کرتے تھے، اور کبھی پچاس آیتیں پڑھتے تھے، نیز فرمایا کرتے:

"ومن صلى في ليلة بمائة آية لم يكتب من الغافلين "[21]

" جو شخص رات کی نماز میں سو آیت کے بقدر پڑھے، وہ غافلوں میں شمار نہ ہو گا"۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

"بمأتي آية يكتب من القانتين المخلصين "[22]

"اور جو شخص دو سو آیتیں پڑھے گا وہ اطاعت شعار اور مخلص لوگوں میں شمار ہو گا"۔

---

[19] ۔سنن ابوداود: ۱۳۶۲، أبواب قیام اللیل/ مسند احمد، ج:۶، ص: ۱۴۹ وغیرہ، دیکھئے صلاۃ التراویح ص: ۸۴ و صحیح سنن ابوداود: ۱۲۳۳ ۔واضح رہے کہ اس تیرہ رکعت میں عشاء کی دو رکعت سنت بھی شامل ہے، یا وہ دو ہلکی رکعتیں ہیں جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز تہجد کی ابتدا فرماتے تھے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے راجح قرار دیا ہے۔ دیکھئے صلاۃ التراویح: ۱۶- ۱۷۔

[20] ۔شرح معانی الآثار، ج: ۱، ص: ۱۷۲، مستدرک الحاکم، ج:۱، ص: ۳۰۲، سنن الدار قطنی: ۱۶۴۱، البیہقی، ج: ۳، ص: ۲۷، ائمہ کی ایک جماعت نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے رسالہ صلاۃ التراویح ص: ۸۴ للمولف۔

[21] ۔قیام اللیل لابن نصر، ص: ۶۶، صحیح ابن خزیمہ: ۱۱۴۲ / مستدرک الحاکم، ج:۱، ص: ۳۰۸ بروایت ابوہریرہ وابن عمر، دیکھئے الصحیحہ: ۶۴۳۔

[22] ۔سن الدارمی، ج: ۲، ص: ۴۶۵، مستدرک الحاکم، ج:۱، ص: ۳۰۸، ۳۰۹، بروایت ابوالدرداء وابوہریرہ، دیکھئے: اصل صفۃ صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج:۲، ص: ۵۲۵، ۵۲۶۔

ایک اور رات تو بیمار رہنے کے باوجود آپ ﷺ نے سات لمبی سورتیں پڑھیں، یعنی سورۂ بقرہ، آل عمران، النساء، المائدہ، الانعام، الأعراف، اور سورۃ التوبہ۔ [23]

اسی طرح حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان کردہ وہ قصہ جس میں انہوں نے آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے کا ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک رکعت میں سورۂ بقرہ پڑھی پھر سورۂ نساء شروع کی اور ختم کی، پھر سورۂ آل عمران پوری پڑھی، نیز بڑے اطمینان اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔ [24]

حضر عمر رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح ثابت ہے کہ جب انہوں نے حضرت ابی بن کعب کو رمضان میں گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا تو حضرت ابی بن کعب { ایک رکعت میں } وہ سورتیں پڑھتے تھے جن میں سو یا اس سے زیادہ آیتیں ہوتیں، یہاں تک کہ لوگ ان کے پیچھے لمبے قیام کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں کا سہارا لیتے اور فجر کے قریب ہی نماز سے فارغ ہوتے۔ [25]

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح یہ ثابت ہے کہ انہوں نے رمضان میں ائمہ قاریوں اور حافظوں کو جمع کیا اور تیز رفتار قراءت کرنے والے کو حکم دیا کہ وہ ایک رکعت میں تیس آیتیں پڑھے، درمیانی رفتار سے پڑھنے والے کو حکم دیا کہ وہ پچیس آیتیں پڑھے اور آہستہ پڑھنے والے کو حکم دیا کہ وہ ایک رکعت میں بیس آیتیں پڑھے۔ [26]

اس سے پتہ چلا کہ اگر کوئی شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہو تو جتنی لمبی قراءت کرنا چاہے کرے، اسی طرح اگر اس کے ساتھ ایسے لوگ ہوں جو اس کی موافقت کر سکیں تو بھی لمبی قراءت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور قراءت جتنی ہی لمبی کی جائے اتنا ہی افضل ہے، ایسا بھی نہ ہو کہ طول دینے میں اتنا مبالغہ کرے کہ پوری رات ہی نماز میں گزار دے، ہاں ! کبھی کبھار کی شکل میں جائز ہے، ایسا نبی ﷺ کی اتباع میں ہونا چاہیے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: "خیر الهدی هدی محمد ﷺ " [27]

" سب سے بہترین طریقہ نبی ﷺ کا طریقہ ہے" ۔

اور اگر لوگوں کی امامت کر رہا ہو تو اسے نماز کو اتنا ہی طول دینا چاہیے جتنا اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں پر گراں نہ گزرے، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا :

" إِذَا مَا قَامَ أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفِ الصَّلَاةَ فَإِنَّ فِيهِمُ الْكَبِيرَ وَفِيهِمُ الضَّعِيفَ وَإِذَا قَامَ وَحْدَهُ فَلْيُطِلْ صَلَاتَهُ مَا شَاءَ " [28]

" جب کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ ان میں چھوٹے بھی ہوتے ہیں اور بڑے بھی، کمزور و مریض بھی ہوتے ہیں اور حاجت مند بھی، اور جب اکیلا نماز پڑھنے کھڑا ہو تو جتنی لمبی نماز پڑھنا چاہے پڑھ لے"۔ [29]

---

[23] -ابو یعلی: ۳۴۴۴، ج: ۶، ص: ۱۶۴، صحیح ابن خزیمہ: ۱۱۳۶، ج: ۲، ص: ۱۷۷، بروایت انس، علامہ مرحوم نے اس حدیث کی تصحیح سے رجوع کر لیا ہے، دیکھئے الضعیفہ: ۳۹۹۵۔

[24] - صحیح مسلم: ۷۷۲، صلاۃ المسافرین، سنن النسائی: ۱۶۶۵، قیام اللیل، سنن ابوداود: ۸۷۱، الصلاۃ۔

[25] -الموطأ: ۲۴۸، ج: ۱، ص: ۱۲۷، دیکھئے صلاۃ التراویح، ص: ۴۵۔

[26] -مصنف عبدالرزاق، ج: ۴، ص: ۲۶۱، ۷۷۳۱ / السنن الکبری للبیہقی، ج: ۲، ص: ۴۹۷، دیکھئے صلاۃ التراویح، ۶۱، حاشیہ نمبر: ۲۔

[27] - صحیح مسلم: ۸۶۷، الجمعہ / سنن النسائی: ۱۵۷۹، العیدین وغیرہ میں مذکور حدیث کا ایک ٹکڑا ہے، دیکھئے احکام الجنائز، ص: ۱۸۔

[28] - صحیح بخاری: ۷۰۳، الأذان / صحیح مسلم: ۴۶۷، الصلاۃ، الفاظ صحیح مسلم کے ہیں، دیکھئے الاوراء: ۵۱۲، صحیح ابوداود: ۷۵۹۔

قیام { تراویح } کا وقت:

[۱۰] رات کی نماز { تہجد } کا وقت عشاء کی نماز کے بعد سے لے کر طلوع فجر تک ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

"إن الله زادكم صلاة هي الوتر فصلوها بين صلاة العشاء إلى صلاة الفجر"[30]

" اللہ تعالی نے تم لوگوں کو ایک نماز مزید عطا کی ہے یعنی نماز وتر، تم اسے نماز عشاء اور نماز فجر کے درمیان پڑھا کرو"۔[31]

[۱۱] جس کے لئے آسانی ہو قیام اللیل رات کے آخر میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

"مَنْ خَافَ أَنْ لاَ يَقُومَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوتِرْ أَوَّلَهُ وَمَنْ طَمِعَ أَنْ يَقُومَ آخِرَهُ فَلْيُوتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ فَإِنَّ صَلاَةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُودَةٌ وَذَلِكَ أَفْضَلُ "[32]

" جسے یہ خوف ہو کہ وہ رات کے آخری حصے میں بیدار نہ ہوسکے گا وہ رات کے ابتدائی حصے میں وتر پڑھ لے اور جو آخر شب میں بیدار ہونے کی خواہش رکھتا ہو وہ آخری حصے ہی میں وتر پڑھے، کیونکہ اس وقت فرشتے حاضر رہتے ہیں اور یہی افضل وقت ہے"۔

[۱۲] اور اگر صورت حال ایسی درپیش ہو کہ جماعت کے ساتھ نماز تراویح ابتدائی شب پڑھیں یا شب کے آخری حصے میں اکیلے پڑھیں تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا افضل ہے، کیونکہ اس صورت میں اسے پوری رات نماز پڑھنے کا اجر ملے گا، جیسا کہ نمبر: ۴ میں اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث گزر چکی ہے، اور اسی پر حضرت عمرؓ کے زمانے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل رہا ہے، چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عبد القاری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے ساتھ رمضان کی ایک شب مسجد کی طرف نکلا، دیکھا کہ وہاں لوگ الگ الگ گروپ میں بٹ کر نماز تراویح پڑھ رہے ہیں، کوئی اکیلے نماز پڑھ رہا ہے اور کسی کے ساتھ ایک چھوٹی سی جماعت ہے، حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کر فرمایا: اگر میں ان سب لوگوں کو ایک ہی امام کے پیچھے جمع کردوں تو بہتر ہوگا، پھر اس کا پختہ ارادہ کرلیا، چنانچہ حضرت ابی بن کعب کی امامت میں سب کو کٹھا کر دیا۔

پھر ایک دوسری رات کو باہر نکلے اور دیکھا کہ لوگ اپنے امام کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے ہیں تو فرمایا: یہ کتنی اچھی بدعت ہے،[33] اور یہ لوگ جس وقت سوتے رہتے ہیں وہ اس وقت سے افضل ہے جس وقت قیام کررہے ہیں، حضرت عمرؓ کا اشارہ رات کے آخری حصہ کی طرف تھا کیونکہ لوگ اول شب میں نماز تراویح ادا کرتے تھے۔[34]

---

29 -مترجم کہتا ہے کہ اختصار کا یہ مطلب نہیں کہ ہر رکعت میں صرف دو تین آیتوں پر اکتفا کیا جائے اور نہ یہ جائز ہوگا کہ قراءت اتنی تیز رفتاری سے کی جائے کہ سننے والے قرآن کے حروف وکلمات کو سمجھ نہ سکیں، کیا ہی خوب فرمایا امام ربانی حضرت اسحاق بن راھویہ نے جب لوگوں نے ان سے پوچھا کہ تراویح کی ایک رکعت میں کتنی آیتیں پڑھی جائیں آپ نے فرمایا ایک رکعت میں تیس آیتیں پڑھا کرو، کہا گیا لوگوں پر بھاری پڑتا ہے تو فرمایا: بیس آیتیں پڑھاؤ پھر کہا گیا کہ لوگ اس کی بھی طاقت نہیں رکھتے تو کہا سورہ بقرہ کی دس آیتیں پڑھو اور اگر چھوٹی آیتوں والی صورت ہو تو سورۂ بقرہ کی دس آیتوں کے برابر پڑھا کرو، لوگوں نے کہا کہ لوگ کمزور ہیں ان میں اتنی دیر قیام کی طاقت نہیں ہے؟ فرمایا: اگر لوگ دس آیتیں بھی برداشت نہ کرسکیں تو انہیں تراویح پڑھاو ہی نہیں۔ دیکھئے لطائف المعارف: ۳۱۶۔

30 -مسند احمد، ج:۶، ص: ۷، الطبرانی الکبیر: ۲۱۶۸، ج: ۲، ص: ۲۷۹، بروایت ابوہریرہ، دیکھئے الصحیحہ: ۱۰۸ اور ارواء الغلیل، ج: ۲، ص: ۱۵۸۔

31 -رات کی پوری نماز کو وتر کہتے ہیں کیونکہ اس کی تعداد طاق عدد ہے۔

32 - صحیح مسلم: ۷۵۵، المسافرین/ مسند احمد، ج: ۳، ص: ۳۴۸، دیکھئے الصحیحہ: ۲۶۱۰، بروایت جابر بن عبد اللہ۔

نیز زید بن وہب رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیں رمضان میں تراویح پڑھایا کرتے اور رات ہی میں فارغ ہو جاتے {یعنی پوری رات تراویح پڑھانے میں نہ گزار دیتے} [35]

رات کی نماز کا طریقہ:

اس مسئلے کو میں نے اپنی کتاب **"صلاۃ التراویح"**، ص: ۹۷ تا ۹۸ میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے، یہاں ناظرین کی آسانی اور یاددہانی کے لئے اس کا خلاصہ پیش کر رہا ہوں:

پہلا طریقہ:

تیرہ رکعتیں پڑھی جائیں، جن کی ابتدا دو ہلکی رکعتوں سے کی جائے۔ راجح قول کے مطابق یہ دونوں رکعتیں یا تو نماز عشاء کے بعد والی سنتیں ہیں یا پھر خاص وہ دو رکعتیں ہیں جن سے تہجد کے نماز کی ابتدا کی جاتی ہے، جیسا کہ یہ موضوع گزر چکا ہے، اس کے بعد دو رکعتیں خوب لمبی پڑھی جائیں، پھر دو لمبی رکعتیں پڑھی جائیں جو پہلی دونوں رکعتوں کے مقابلے میں ہلکی ہوں، پھر اور دو رکعتیں پڑھی جائیں جو اپنے سے پہلے کی دونوں رکعتوں سے ہلکی ہوں، اس کے بعد پھر دو لمبی رکعتیں پڑھی جائیں جو اپنے سے پہلے کی دونوں رکعتوں سے ہلکی ہوں، پھر اس کے بعد بھی دو رکعتیں پڑھی جائیں جو اپنے سے پہلے والی دونوں رکعتوں سے ہلکی ہوں، اور پھر آخر میں ایک رکعت وتر پڑھا جائے۔

دوسرا طریقہ:

نمازی تیرہ رکعتیں اس طرح پڑھے کہ آٹھ رکعتوں تک ہر دو رکعت پر سلام پھیرے، پھر پانچ رکعت نماز وتر ایک تشہد اور ایک ہی سلام سے پڑھے { نہ درمیان میں بیٹھے اور نہ سلام پھیرے، بس آخری رکعت پر سلام پھیرے}

---

33 - مترجم کہتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بہت سے لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں [۱] بدعت حسنہ [۲] بدعت سیئہ، اور پھر اسی کو بنیاد بنا کر دین میں بہت سی بدعتیں ایجاد کر لی ہیں، چنانچہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ " صلاۃ التراویح" میں اس موضوع کو تفصیل سے چھیڑا ہے، بہتر ہے کہ یہاں علامہ مرحوم کے قول کا خلاصہ نقل کر دیا جائے: چنانچہ علامہ مرحوم کہتے ہیں کہ { بعض لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے غلط استدلال کیا ہے کہ بعض بدعتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو حسنہ کہلاتی ہیں، اور اسی بنیاد پر فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم " کل بدعۃ ضلالۃ" " ہر بدعت گمراہی ہے" کو مخصوص کیا ہے، حالانکہ یہ استدلال سرے سے باطل ہے کیونکہ حدیث اپنے عموم پر باقی ہے، البتہ جہاں تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول " نعمت البدعۃ" کا تعلق ہے تو اس سے مراد شرعی بدعت نہیں بلکہ لغوی بدعت ہے یعنی ایسا کام جو پہلے سے لوگوں کے درمیان رائج نہ رہا ہو، مثلاً ایک امام کے پیچھے جماعت سے نماز تراویح عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے ابتدا میں پڑھنے کا رواج نہ تھا، اس لئے اسے بدعت سے تعبیر کیا فرمایا، لیکن اگر اسے اس ناحیے سے دیکھا جائے کہ یہ عمل فعل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عین موافق تھا تو اسے سنت کہنا چاہئے، اس پر بدعت کا اطلاق ہی نہ ہوگا، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس " حسنہ " سے تعبیر کیا ہے { کیونکہ وہ جانتے تھے کہ بدعت ساری کی ساری ضلالت و گمراہی ہے} ۔

پھر علامہ مرحوم نے اپنی تائید میں امام عبد الوہاب السبکی، حافظ ابن عبد البر اور علامہ فقیہ ابن حجر ھیتمی کے اقوال نقل کئے ہیں، دیکھئے: رسالہ صلاۃ التراویح، ص: ۴۳، ۴۴، ۴۵۔

34 - صحیح بخاری: ۲۰۱۰، التراویح وغیرہ دیکھئے: رسالہ صلاۃ التراویح: ۴۲۔

35 - مصنف عبد الرزاق: ۲۲۴۱، اس اثر کی سند صحیح ہے، نیز امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ کیا تراویح کو رات کے آخری حصہ میں اکیلے ادا کرے؟ امام موصوف نے انہیں ذکر شدہ دونوں اثر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: مسلمانوں کا طریقہ { یعنی جماعت سے پڑھنا} ہمیں زیادہ پسند ہے" ۔ مسائل احمد لابی داود: ۶۲۔

تیسرا طریقہ:

گیارہ رکعتیں اس طرح پڑھی جائیں کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جائے اور آخر میں ایک رکعت وتر پڑھی جائے۔

چوتھا طریقہ:

گیارہ رکعتیں اس طرح پڑھی جائیں کہ نمازی ہر چار رکعت ایک سلام سے پڑھے اور پھر تین رکعت وتر پڑھے۔

البتہ یہ سوال محل نظر ہے کہ کیا چار رکعتوں اور تین رکعتوں میں سے ہر دو رکعت پر تشہد کرے گا یا نہیں، اس کا کوئی تسلی بخش جواب مجھے نہیں مل سکا، لیکن واضح رہے کہ تین رکعت { وتر } میں دوسری رکعت پر بیٹھنا ثابت نہیں ہے۔

پانچواں طریقہ:

گیارہ رکعتیں اس طرح پڑھے کہ آٹھ رکعتوں میں کسی رکعت پر نہ بیٹھے، آخر میں آٹھویں رکعت پر جلسہ کرے اور تشہد و درود سے فارغ ہو کر سلام پھیرے بغیر کھڑا ہو جائے، پھر ایک رکعت وتر پڑھ کر سلام پھیر دے، یہ کل نو رکعتیں ہوئیں، اس کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھے۔

چھٹا طریقہ:

نو رکعتیں اس طرح پڑھی جائیں کہ چھ رکعتوں میں صرف چھٹی رکعت پر تشہد کیا جائے، تشہد و درود کے بعد { بغیر سلام پھیرے کھڑا ہو جائے، پھر ایک رکعت وتر پڑھ کر سلام پھیر دیا جائے، یہ کل سات رکعتیں ہوئیں، پھر آخر میں دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھی جائیں } جیسا کہ اس سے ماقبل طریقہ میں گزرا ہے۔

{ نماز تہجد و تراویح کی } یہ وہ کیفیتیں ہیں جو نبی کریم ﷺ سے بصراحت ثابت ہیں، نیز ان میں بعض دیگر کیفیتوں کا بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے، اس طرح کہ ہر کیفیت سے جتنی رکعتیں کم کرنا چاہے کم کر دے حتی کہ اگر صرف ایک ہی رکعت پڑھنا چاہے تو اس پر بھی اکتفا کر سکتا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان گزر چکا ہے کہ " جو چاہے پانچ رکعت وتر پڑھے اور جو چاہے تین رکعت وتر پڑھے اور جو چاہے ایک رکعت وتر پڑھے "[36]

یہ پانچ رکعتیں اور تین رکعتیں خواہ ایک تشہد اور ایک سلام سے پڑھے جیسا کہ دوسری کیفیت میں اس کا ذکر گزر چکا ہے، اور اگر چاہے تو ہر دو رکعت پر تشہد کے بعد سلام پھیر دے، جیسا کہ تیسری کیفیت کے ذکر میں گزر چکا ہے، اور یہی افضل ہے۔[37]

البتہ پانچ رکعتیں یا تین رکعتیں اس طرح پڑھنا کہ دوسری رکعت پر بیٹھ کر تشہد پڑھے اور بغیر سلام پھیرے کھڑا ہو جائے، تو یہ طریقہ میرے نزدیک نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے، اصول تو یہی ہے کہ ایسا کرنا بھی جائز ہو لیکن چونکہ نبی کریم ﷺ نے تین

---

36 - دیکھئے فقر نمبر ۸۔

37 - ایک اہم فائدہ: امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کی حدیثوں میں مذکور تعداد اور رکعتیں لکھنے کے بعد فرماتے ہیں: انسان کے لئے جائز ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ سے مروی تعداد میں جس عدد اور جس کیفیت کے مطابق پڑھنا چاہے، پڑھ سکتا ہے، اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے { صحیح ابن خزیمہ، ج:۲، ص: ۱۹۴ } علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہ مفہوم میرے اختیار کردہ قول سے مکمل مطابقت رکھتا ہے کہ رکعات تراویح کی جتنی تعداد نبی کریم ﷺ سے مروی ہے اسی کا التزام کیا جائے اور اس سے تجاوز نہ کیا جائے، والحمد لله على توفيقه، و أساله الله المزيد من فضله ۔

رکعت وتر پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ اسے مغرب کے مشابہ نہ بناؤ[38] اس لئے ضروری ہے کہ جو شخص تین رکعت وتر پڑھنا چاہے وہ اس مشابہت سے بچے، اور یہ دو صورتوں میں ہو سکتا ہے۔

[أ] شفع { دو رکعت } اور وتر { ایک رکعت } کے درمیان سلام پھیر دے، دلیل کے اعتبار سے یہی زیادہ قوی اور بہتر ہے۔

[ب] شفع اور وتر کے درمیان نہ بیٹھے ۔۔۔ واللہ أعلم۔

وتر کی تین رکعتوں میں قراءت:

[۱۴] سنت یہ ہے کہ وتر کی تین رکعتوں میں سے پہلی رکعت میں " سبح اسم ربک الأعلی " پڑھے دوسری رکعت میں " قل یا أیها الکافرون " اور تیسری رکعت میں " قل هو الله أحد " پڑھے، اور کبھی کبھار اس کے ساتھ " قل أعوذ برب الفلق " اور " قل أعوذ برب الناس " کا اضافہ کر سکتا ہے۔[39]

آپ ﷺ سے بسند صحیح یہ بھی ثابت ہے کہ ایک بار آپ نے وتر کی ایک رکعت میں سورۂ نساء کی سو [۱۰۰] آیتیں پڑھیں۔[40]

دعائے قنوت اور اس کا مقام:

[۱۵] اور قراءت سے فارغ ہونے کے بعد رکوع سے پہلے کبھی کبھار وہ دعائے قنوت پڑھ لیا کرے جو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے نواسے حضرت حسن علی رضی اللہ عنہما کو سکھائی تھی، وہ دعا یہ ہے:

" اللَّهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِي فِيمَا أعطيت وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ إِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ "[41]

اور کبھی کبھار اللہ کے رسول ﷺ پر درود پڑھ لیا کریں، جیسا کہ فوراً بعد اس کی دلیل آرہی ہے۔[42]

[۱۶] اور آدھے رمضان کے بعد رکوع کے بعد قنوت پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اور دعائے قنوت میں یہ اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ آخر میں کافروں پر لعنت بھیجی جائے اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا اور مسلمانوں کے لئے دعا کی جائے کیونکہ عہد عمر میں ائمہ مساجد سے ایسا کرنا ثابت ہے، چنانچہ ص: ۲۸، ۲۹۔ پر حضرت عبدالرحمن بن عبدالقاری کی جو حدیث گزر چکی ہے اس کے آخر میں یہ اضافہ موجود ہے کہ نصف رمضان کے بعد وہ لوگ کافروں پر ان الفاظ میں لعنت بھیجتے تھے:

---

38 ۔الطحاوی، ج: ۱، ص: ۲۹۲، / سنن الدار قطنی: ۱۶۵، ۱۶۵۱، وغیرہ۔ دیکھئے رسالہ التراویح: ۹۸۔

39 ۔سنن الترمذی: ۴۶۳، الصلاۃ، مستدرک الحاکم، ج:۱، ص: ۳۵، بروایت عائشہ { یہ حوالہ مترجم کی طرف سے اضافہ ہے }

40 ۔سنن النسائی: ۱۷۲۹، قیام اللیل، مسند احمد، ج: ۴، ص: ۴۱۹، مسند الطیالس: ۵۱۲، بروایت ابو موسی الأشعری۔

41 ۔سنن أبوداود: ۱۴۲۵، الوتر / سنن النسائی: ۱۷۴۶، قیام اللیل وغیرہ، نیز دیکھئے صفۃ الصلاۃ، ص: ۹۵، ۹۶۔

42 ۔دیکھئے حاشیہ فضل الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ص: ۸۷، تلخیص صفۃ صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ص: ۴۵۔

"اللهم قاتل الكفرة الذين يَصدون عن سبيلك ويكذبون رسلك ولا يؤمنون بوعدك وخالف بين كلمتهم وألق في قلوبهم الرعب وألق عليهم رجزك وعذابك إله الحق " [43]

پھر اللہ کے رسول ﷺ پر درود بھیجتے اور عمومی مسلمانوں کے لئے ممکن حد تک دعا کرتے اور ان کے لئے استغفار کرتے۔

ایک اور جگہ ہے کہ جب کافروں پر لعنت، نبی کریم ﷺ پر درود اور مسلمانوں مردوں اور عورتوں کے لئے دعائے مغفرت سے فارغ ہوتے تو کہتے:

" اللهم إياك نعبد ولك نصلي ونسجد وإليك نسعى ونحفد ونرجو رحمتك ربنا ونخاف عذابك الجد أن عذابك لمن عاديت ملحق " [44]

پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے میں چلے جاتے۔[45]

وتر کے آخر کی دعا:

[۱۷] سنت یہ ہے کہ وتر کے آخر میں سلام سے پہلے یا سلام کے بعد یہ دعا پڑھے:

" اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخطِكَ وبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لاَ أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ "[46]

[۱۸] اور جب وتر سے فارغ ہو کر سلام پھیرے تو تین بار کہے:

سبحان الملک القدوس، اور تیسری بار میں آواز کو لمبا اور بلند کرے۔[47]

وتر کے بعد کی دو رکعتیں:

ا۔۔۔وتر پڑھنے والے کے لئے جائز ہے کہ نماز وتر کے بعد دو رکعت نماز پڑھے، کیونکہ ایسا نبی کریم ﷺ کے عمل سے ثابت ہے،[48] بلکہ آپ ﷺ نے امت کو اس کا حکم بھی دیا ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا:

---

[43] -اے اللہ ان کافروں کو ہلاک کردے جو تیرے راستے سے روکتے ہیں، تیرے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں، تیرے وعدے پر ایمان نہیں رکھتے، اے اللہ ان کے درمیان تفرقہ ڈال دے، ان کے دلوں میں خوف پیدا کردے، اے حقیقی معبود! ان پر اپنا عذاب اور غضب نازل فرما۔

[44] -اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، تیرے ہی لئے نماز پڑھتے اور تجھے ہی سجدہ کرتے ہیں، تیری ہی طرف کوشاں اور رواں دواں ہیں، اے ہمارے رب تیری رحمتوں کے امیدوار ہیں، تیرے واقعی عذاب سے ڈرتے ہیں، تیرا عذاب تو تیرے دشمنوں کو پالینے والا ہے۔

[45] - صحیح ابن خزیمہ، ج: ۲ ، ص: ۱۵۵، ۱۵۶، نمبر: ۱۱۰۰۔

[46] - صحیح ابوداود: ۱۲۸۲، ارواء الغلیل: ۴۳۰، بروایت علی بن ابی طالب۔

دعا کا ترجمہ: اے اللہ میں تیری ناراضگی سے بچتے ہوئے تیرے رضا کی پناہ چاہتا ہوں، تیری پکڑ سے بچتے ہوئے تیرے عفو وکرم کی پناہ چاہتا ہوں، میں تجھ سے [تیرے غیظ وغضب سے] تیری پناہ [تیرے رحمت کی پناہ] چاہتا ہوں، اے میرے رب ہم تیری تعریف کا حق ادا نہیں کرسکتے، تو ویسے ہی ہے جیسے تو نے اپنی تعریف خود بیان کی ہے۔

[47] - صحیح ابوداود: ۱۲۸۴ {سنن ابوداود: ۱۴۳۰، الصلاۃ/سنن النسائی: ۱۷۰۰، قیام اللیل، بروایت ابی بن کعب } ۔

[48] - صحیح مسلم: ۷۴۶، ۷۳۸، المسافرین، بروایت عائشہ وغیرہ دیکھئے صلاۃ التراویح: ۱۰۸، ۱۰۹۔

" إن هذا السفر جهد و ثقل ، فاذا أوتر أحدكم فليركع ركعتين فان استيقظ و إلا كانتا له "[49]

" یہ سفر مشکل کام ہے اور بھاری بھی ہے، توجب تم وتر پڑھ چکو اس کے بعد دو رکعتیں پڑھ لیا کرو، پھر اگر رات کے آخری حصے میں بیدار ہو گئے تو ٹھیک ورنہ یہ دونوں رکعتیں تہجد کے قائم مقام ہو جائیں گی"۔ [50]

[۲۰] سنت یہ ہے کہ ان دونوں رکعتوں میں " إذا زلزلت الأرض " اور " قل یا أيها الكافرون " پڑھی جائیں۔[51]

---

49 - صحیح ابن خزیمہ : ۱۱۰۶، ج: ۲، ص: ۱۵۹ / سنن الدارمی، ج: ۱، ص: ۳۷۴، بروایت ثوبان/ دیکھئے الصحیحہ : ۱۹۹۳۔

50 -علامہ البانی فرماتے ہیں کہ ایک مدت تک ان دو رکعتوں کے بارے میں مجھے تردد تھا لیکن جب اس حدیث نبوی پر مطلع ہوا تو اسے فورا اپنا لیا اور مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ آپ کا فرمان: "اپنی رات کی آخری نماز وتر کو بناو" ایک استحبابی حکم ہے وجوبی نہیں، یہی قول حافظ ابن نصر، ص: ۱۲۰ رحمہ اللہ کا بھی ہے،۔۔۔۔۔ مترجم کہتا ہے کہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ کا بھی یہی قول ہے جیسا کہ وہ اپنی صحیح میں متعدد باب قائم کئے ہیں، جیسے "باب وتر کے بعد نماز پڑھنے کی رخصت"، ج: ۳، ص: ۱۵۷، "باب، وتر کے بعد پڑھی جانے والی رکعتوں میں قراءت کا بیان"، ج: ۲، ص: ۱۵۸، "باب اس بات کی دلیل کہ جو شخص بھی وتر کے بعد نماز پڑھنا چاہے اس کے لئے جائز ہے"۔۔الخ، ج: ۲، ص: ۱۵۹۔

51 - صحیح ابن خزیمہ : ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ج: ۲، ص: ۱۵۸، ۱۵۹، امام خزیمہ نے اس حدیث کو حضرت عائشہ اور انس بن مالک کے حوالے سے دو سندوں سے روایت کیا ہے جو ایک دوسرے کو تقویت دے رہی ہیں، دیکھئے صفۃ صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ص: ۱۲۴۔

اعتکاف

اعتکاف کا ثبوت:

[۱] رمضان ہو یا غیر رمضان سال کے پورے دنوں میں اعتکاف کرنا سنت سے ثابت ہے، اس کے ثبوت کی اصلی دلیل فرمان الٰہی ہے:

" [وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ] {البقرة:۱۸۷}

" تم مسجد میں اعتکاف میں ہو"

نیز آپ ﷺ کے اعتکاف کرنے کے بارے میں صحیح حدیثیں کثرت سے وارد ہیں اور سلف کے آثار تو اس بارے میں بطریق تواتر مروی ہیں جو کہ مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق میں مذکور ہیں۔[52]

اور یہ بھی ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک بار شوال کے دس دن کا اعتکاف کیا۔[53]

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا: میں نے جاہلیت میں مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کی نذر مانی تھی { جسے ابھی تک پوری نہیں کرسکا } آپ ﷺ نے فرمایا: " أوف بنذرك "اپنی نذر پوری کرو، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک رات کا اعتکاف کیا۔[54]

[۲] سب سے تاکیدی اعتکاف رمضان میں اعتکاف کرنا ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ہر رمضان میں دس دن کا اعتکاف کیا کرتے تھے، اور جس سال آپ کا انتقال ہوا اس سال آپ ﷺ نے بیس دن کا اعتکاف کیا۔[55]

[۳] اعتکاف کے لئے سب سے افضل وقت رمضان کے آخری ایام ہیں، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ اپنی وفات تک رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرتے رہے ہیں۔[56]

اعتکاف کی شرطیں:

[۱] اعتکاف صرف مسجدوں ہی میں صحیح ہے، دلیل باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

[ولا تباشروهن وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ] {البقرة:۱۸۷}

---

52 - مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۴، ص: ۱۲۹، اور اس کے بعد مصنف عبدالرزاق، ج:۴، ص: ۳۴، اور اس کے بعد۔

53 - صحیح بخاری: ۲۰۳۴، الاعتکاف، صحیح مسلم: ۱۱۷۳، الاعتکاف، صحیح ابن خزیمہ: ۲۲۱۲، ج: ۳، ص: ۳۴۳، یہ لمبی حدیث کا حصہ ہے، دیکھئے صحیح سنن ابوداود: ۲۱۳۷۔

54 - صحیح بخاری: ۲۰۴۲، الاعتکاف، صحیح مسلم: ۱۶۵۶، الایمان، ابن خزیمہ: ۲۲۲۸، ج: ۳، ص: ۳۴۷، الفاظ صحیح بخاری کے ہیں دیکھئے صحیح سنن ابوداود: ۲۱۳۶، ۲۱۳۷۔

55 - صحیح بخاری: ۲۰۴۴، الاعتکاف/ صحیح ابن خزیمہ: ۲۲۲۱، ج:۲، ص: ۳۴۱، دیکھئے صحیح ابوداود: ۲۱۲۶، ۲۱۳۰۔

56 - صحیح بخاری: ۲۰۲۶، الاعتکاف/ صحیح مسلم: ۱۱۷۲، الاعتکاف/ ابن خزیمہ: ۲۲۲۳، ج:۳، ص: ۳۴۵، دیکھئے ارواء الغلیل: ۹۶۶ و صحیح سنن ابوداود: ۲۱۲۵۔

" اور عورتوں کے ساتھ اس وقت مباشرت نہ کرو جب تم مسجد میں اعتکاف کئے ہوئے ہو" ۔[57]

اعتکاف کرنے والے کے لئے سنت ہے کہ وہ اپنے اعتکاف کی جگہ سے صرف انہیں کاموں کے لئے نکلے جن کے لئے نکلنا ضروری ہوتا ہے، اعتکاف کرنے والا نہ مریض کی عیادت کو جائے، نہ اپنی عورت کو شہوت سے چھوئے اور نہ ہی اس سے مباشرت کرے، نیز اعتکاف کسی ایسی ہی مسجد میں ہو سکتا ہے جس میں جماعت ہوتی ہو، اور سنت کا طریقہ ہے کہ جو اعتکاف میں بیٹھے وہ روزہ بھی رکھے۔[58]

[۲] مناسب یہ ہے کہ مسجد جامع ہو، تاکہ نماز جمعہ کے لئے باہر نکلنے پر مجبور نہ ہونا پڑے، کیونکہ جمعہ کے لئے جانا واجب ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ماسبق حدیث میں مذکور ہے کہ: اعتکاف جامع مسجد ہی میں ہو سکتا ہے، پھر اس بارے میں مجھے ایک صریح اور صحیح حدیث بھی ملی جو آیت میں مذکور لفظ" مساجد" کو صرف تین مسجدوں کے ساتھ خاص کر دیتی ہے، مسجد حرام، مسجد نبوی ،اور مسجد اقصی۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"لا اعتكاف إلا في المساجد الثلاثة" [59]

" اعتکاف نہیں ہے مگر تین مسجدوں میں"

میری اطلاع کے مطابق اس حدیث کے مطابق سلف صالحین میں سے درج ذیل علماء نے فتوی دیا ہے:

حضرت حذیفہ بن یمان ﷺ، حضرت سعید بن المسیب اور حضرت عطاء رحمہا اللہ، البتہ حضرت عطاء نے صرف مسجد حرام اور مسجد نبوی کا ہی ذکر کیا ہے۔

ان کے علاوہ دوسرے علماء مسجد کے لئے صرف جامع مسجد کی شرط لگاتے ہیں، جب کہ بعض دوسرے علماء نے ان کی مخالفت کی اور ان کا کہنا ہے کہ اعتکاف اپنے گھر کی مسجد میں بھی ہو سکتا ہے، اور یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے کہ جو قول حدیث رسول ﷺ کے موافق ہو اسی کو اختیار کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

[۳] اعتکاف کرنے والے کے لئے سنت یہ ہے کہ وہ روزہ رکھے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ابھی گزرا ہے۔[60]

---

[57] -امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت سے وہی استدلال کیا ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے { یعنی اعتکاف کے لئے مسجد شرط ہے } حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اعتکاف کے لئے مسجد کی شرطیت پر استدلال اس طرح ہے کہ اگر اعتکاف مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ بھی جائز ہوتا تو مباشرت کی حرمت کو مسجد میں اعتکاف کے ساتھ خاص نہ کیا جاتا، کیونکہ جماع تو بالاتفاق اعتکاف کے منافی ہے، اس لئے یہاں مسجد کا ذکر کرنے سے یہ واضح ہوا کہ اعتکاف مسجد ہی میں ہو سکتا ہے۔

[58] -سنن ابوداود: ۲۴۷۳، الصوم/ السنن الکبری للبیہقی، ج:۲، ص: ۳۱۷، بروایت عائشہ، دیکھئے صحیح ابوداود: ۲۱۲۵، الارواء: ۹۶۶۔

[59] -شرح مشکل الآثار، ج:۴، ص:۲۰ / بسنن الکبری للبیہقی، ج: ۲، ص: ۳۱۶، بروایت حذیفہ / تفصیل کے لئے دیکھئے الصحیحہ: ۲۷۸۶، وہیں بعض وہ آثار صحیحہ بھی مذکور ہیں جو اس حدیث کی تائید کرتے ہیں۔

[60] -یہ اثر سنن کبری بیہقی میں صحیح سند سے، ج: ۲، ص: ۳۱۷، اور سنن ابوداود: ۲۴۷۳، الصوم میں حسن سند سے مروی ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ زاد المعاد میں لکھتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ سے یہ منقول نہیں ہے کہ آپ نے کبھی بغیر روزہ رکھے اعتکاف کیا ہو، بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ بغیر روزہ کے اعتکاف نہیں ہے، نیز اللہ تبارک وتعالی نے اعتکاف کا ذکر روزہ کے ساتھ ہی کیا ہے، اور اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اعتکاف روزہ رکھ کر ہی کیا ہے، اس لئے دلیل کے اعتبار سے راجح قول وہی ہے جو جمہور سلف کا ہے کہ اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ علامہ البانی کہتے ہیں کہ: اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جو شخص نماز یا کسی اور مقصد کے لئے مسجد میں

اعتکاف کرنے والے کے لئے جائز کام:

[۱] اعتکاف کرنے والے کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مسجد سے باہر نکلے ،اور سر کو دھونے اور سنوارنے کے لئے مسجد سے باہر نکلنا بھی جائز ہے ، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ مسجد میں اعتکاف بیٹھے ہوتے اور میں اپنے حجرے میں ہوتی ، آپ اپنا سر میری طرف حجرہ کے اندر کردیتے تاکہ میں اس میں کنگی کردوں۔
{ ایک اور روایت میں ہے کہ تاکہ میں آپ کے سر کو دھووں ، اس وقت میرے اور اللہ کے رسول ﷺ کے درمیان دروازے کی چوکھٹ حائل ہوتی اور بسا اوقات اس وقت میں حالت حیض میں ہوتی } جب اللہ کے رسول ﷺ اعتکاف میں ہوتے تو گھر میں صرف انسانی ضرورت کے لئے ہی تشریف لاتے۔[61]

[۲] اعتکاف کرنے والے یا غیر اعتکاف کرنے والے کے لئے مسجد میں وضو کرنا جائز ہے ، اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت کرنے والے ایک صحابی کا بیان ہے کہ آپ نے مسجد میں ہلکا سا وضو کیا۔[62]

[۳] اعتکاف کرنے والا مسجد کے آخری حصے میں چھوٹا سا خیمہ نصب کرسکتا ہے جس میں وہ اعتکاف بیٹھے ، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ جب اعتکاف میں بیٹھنے کا ارادہ فرماتے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے لئے ایک خیمہ نصب کردیتیں اور وہ ایسا آپ ﷺ کے حکم سے کرتیں۔[63]

اور ایک بار آپ ﷺ نے ایک گنبد نما چھوٹے ترکی خیمہ میں اعتکاف فرمایا جس کے دروازے پر چٹائی لٹکی ہوئی تھی۔[64]

عورت کا اعتکاف کرنا اور اعتکاف میں بیٹھے ہوئے شوہر کی زیارت کرنا:

[۴] عورت کے لئے جائز ہے کہ اعتکاف میں بیٹھے ہوئے شوہر کی زیارت کرے اور شوہر کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ مسجد کے دروازے تک اسے رخصت کرنے آئے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے ، ایک رات میں آپ کی زیارت کے لئے گئی تو آپ کے پاس دوسری ازواج مطہرات بھی موجود تھیں ، وہ سب تھوڑی دیر

داخل ہو اس کے لئے یہ ثابت نہیں ہے کہ مسجد میں اپنے ٹھہرنے کی مدت تک اعتکاف کی نیت کرلے ، جیسا کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے الاختیارات میں اس کی صراحت کی ہے۔

61 - صحیح بخاری: ۲۰۲۹، الاعتکاف / صحیح مسلم: ۲۹۷، الحیض / مسند احمد ، ج: ۶، ص: ۲۰۴ / مصنف ابن ابی شیبہ: ۹۷۸۵، ج: ۴، ص: ۱۵۳۔

62 - السنن الکبری للبیہقی ، ج: ۴، ص: ۲۲۲، مسند احمد ، ج: ۵، ص: ۲۶۵، مسند احمد میں یہ حدیث مختصر ہے۔

63 - صحیح بخاری وغیرہ تخریج گزر چکی ہے ، دیکھئے آپ کے اعتکاف سے متعلق حدیث۔

64 - صحیح مسلم: ۱۱۶۷، الصیام / صحیح ابن خزیمہ: ۲۱۲۱، ج: ۳، ص: ۲۲۲، دیکھئے صحیح ابوداود: ۱۲۵۱، پردہ لٹکانے کی حکمت امام سندھی نے یہ بیان کی ہے کہ سامنے سے گزرنے والے کی نظر نہ پڑھے ، لیکن میں {علامہ البانی} کہتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ اس لئے لٹکایا تھا کہ سامنے والا اعتکاف کرنے والے کی توجہ اپنی طرف مبذول نہ کرسکے ، جیسا کہ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول ان جاہلوں کے طریقہ سے بالکل مختلف ہے کہ ایک شخص دس آدمیوں کی جگہ گھیر لیتا ہے ، زیارت کرنے والوں کا مرکز بنا رہتا ہے ، اور اس کے پاس لوگ ادھر ادھر کی گفتگو میں مشغول رہتے ہیں ، یہ اعتکاف کی ایک شکل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتکاف ایک دوسری شکل میں ہوتا تھا۔

میں اٹھ کر چلی گئیں اور میں کافی دیر تک آپ سے باتیں کرتی رہی، جب میں نے واپس ہونے کے لئے اٹھنا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جلدی نہ کرو میں تمہیں پہنچادوں گا، چنانچہ آپ بھی میرے ساتھ اٹھے، تاکہ مجھے رخصت کریں، حضرت صفیہ کا قیام حضرت اسامہ بن زید کے گھر میں تھا، جب آپ مسجد کے اس دروازے تک پہنچے جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے دروازے کے قریب ہے تو دو انصاری صحابی ادھر سے گزرے، جب دونوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا تو وہاں سے تیزی سے گزرنا چاہا، آپ ﷺ نے فرمایا: "علی رسلکما إنها صفية بنت حيي "آہستہ آہستہ { گھبراو نہیں } یہ صفیہ بنت حیی، { میری بیوی ہیں } ، یہ سن کر ان دونوں نے کہا: اے اللہ کے رسول سبحان اللہ { آپ کے بارے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ } آپ نے فرمایا:

"إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ فَخَشِيتُ أَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمَا شَرًّا " . أَوْ قَالَ شَيْئًا " " [65]

" شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے، مجھے خوف لاحق ہوا کہ شیطان کہیں تمہارے دلوں میں کوئی برا خیال نہ ڈال دے" ۔

بلکہ عورت کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ہی یا تنہا اعتکاف کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے ایک نے { حضرت ام سلمہ نے } حالت استحاضہ میں آپ کے ساتھ اعتکاف کیا، انہیں لال پیلا خون جاری رہتا تھا اور بسا اوقات جب نماز پڑھنے لگتیں تو ہم لوگ ان کے نیچے لگن رکھ دیتے۔ [66]

حضرت عائشہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنی وفات تک رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف کرتے رہے، پھر آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا۔ [67]

[۵] جماع اور ہمبستری سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

[ولا تباشروهن وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ] {البقرة:۱۸۷}

" اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو تو ان سے مباشرت نہ کرو" ۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اگر اعتکاف میں بیٹھا شخص اپنی بیوی سے ہمبستر ہو جائے تو اس کا اعتکاف باطل ہو جاتا ہے، اب اسے نئے سرے سے اعتکاف کی نیت کرنا چاہئے۔ [68]

البتہ اس غلطی کا کوئی کفارہ نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ سے اس سلسلے میں کوئی حکم وارد نہیں ہے۔

سبحانک اللهم و بحمدك ، أشهد ان لا اله إلا أنت ، أستغفرك و أتوب إليك۔

---

65 - صحیح بخاری: ۳۲۸۱، بدء الخلق/ صحیح مسلم: ۲۱۷۵، السلام/ سنن ابوداود: ۲۴۷۰، الصیام۔ الفاظ سنن ابوداود کے ہیں۔

66 - صحیح بخاری: ۲۰۳۷، الاعتکاف، سنن سعید بن منصور { فتح الباری، ج: ۴، ص: ۲۸۱ } دیکھئے صحیح ابوداود: ۲۱۳۸ / سنن دارمی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیوی کا نام زینب مذکور ہے۔

67 - صحیح بخاری و صحیح مسلم، اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

68 - مصنف ابن ابی شیبہ، ج: ۳، ص: ۹۳ / مصنف عبد الرزاق، ج: ۴، ص: ۳۶۳۔

اس کتابچہ کا مراجعہ اس کی تنقیح اور نئے فوائد کا اضافہ مولف کے قلم سے بروز اتوار،۲۶/رجب ۱۴۰۶ھ کو ہوا۔

وصلی اللہ عی نبینا محمد النبی الأمی وعلی آلہ وصحبہ وسلم

عمان – الأردن

بقلم ، محمد ناصر الدین الألبانی

ابو عبد الرحمن

◉◉◉

بفضلہ تعالی اس مفید کتابچہ کا ترجمہ بروز سنیچر ۱۵ شعبان،۱۴۲۹ کو مکمل ہوا،اور اس کی تبییض وصفائی کا کام بعد نماز عصر بروز پیر بتاریخ:۸/ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ کو پورا ہوا۔

مقصود الحسن فیضی

ابو کلیم

الغاط—سعود عرب

۞۞۞

بحمد اللہ تعالی آج بروز اتوار:۲۹/جمادی الأولی ۱۴۳۰ھ کو الدوادمی میں اس علمی ومفید کتابچہ کے ترجمہ کا مراجعہ ونظر ثانی پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

شبیر احمد نورانی

ابو عبدالرحمن { الدوادمی }

۞۞۞مسائل ثلاثه کی اضافی معلومات۞۞۞

پہلا مسئلہ :کیااعتکاف مساجد ثلاثہ کے ساتھ خاص ہے؟

اعتکاف کی مشروعیت اور اس کا مساجد کے ساتھ مشروط ہونا ایک ایسا مسلمہ مسئلہ ہے جو ائمہ دین کے نزدیک متفق علیہ چلا آرہا ہے ،بعض اہل علم نے عورتوں کو اس شرط سے مستثنیٰ قرار دیا ہے،البتہ وہ مسجد کیسی ہو: عام مسجد ہو؟ جماعت والی مسجد ہو؟ یا جامع مسجد؟ یہ چیز اہل علم کے نزدیک مختلف فیہ رہی ہے۔

۞ امام بخاری رحمہ اللہ ہر مسجد میں اعتکاف کو صحیح مانتے ہیں، جمہور علماء بھی اسی بات کے قائل ہیں، امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ اعتکاف کے لئے ایسی مسجد کی شرط لگاتے ہیں جس میں باجماعت نماز کا اہتمام ہو۔ یہ دونوں مسلک تقریبا ایک ہی ہیں، امام زہری اور ایک قول کے مطابق امام شافعی اور امام مالک رحمہم اللہ اعتکاف کے لئے ایسی مسجد کی شرط لگاتے ہیں جس میں نماز باجماعت کے ساتھ جمعہ کی نماز بھی ادا کی جاتی ہو۔

اس مسئلے میں بعض اقوال اور بھی ہیں:

۱- چنانچہ حضرت حذیفہ بن الیمان ﷛ کا خیال ہے کہ اعتکاف صرف انہیں مسجدوں کے ساتھ خاص ہے جن کے لئے رخت سفر باندھنے کی اجازت ہے، یعنی مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصی۔

۲- امام عطاء کا خیال ہے کہ اعتکاف صرف مسجد نبوی اور مسجد حرام میں کیا جاسکتا ہے۔

۳- حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اعتکاف صرف مسجد نبوی ﷺ یا کسی نبی کی مسجد میں ہو سکتا ہے۔[69]

ہمارے ملکوں میں عام طور پر علمائے حدیث کا خیال ہے کہ ہر مسجد میں یا وہ مسجد جس میں جماعت کا اہتمام ہو اس میں اعتکاف کرنا جائز ہے، نہ اس مسجد کے لئے جمعہ ہونے کی شرط ہے اور نہ ہی مساجد ثلاثہ کی قید ہے۔ چنانچہ علامہ شیخ الحدیث مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک راجح قول امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے، جس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ہے۔[70]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی جس حدیث کی شرح میں شیخ الحدیث رحمہ اللہ یہ رائے بیان کر رہے ہیں وہ یہ ہے:

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اعتکاف کرنے والے کے لئے سنت یہ ہے کہ نہ وہ مریض کی عیادت کرے اور نہ جنازے میں شریک ہو، نہ بیوی سے جماع کرے اور نہ ہی شہوت سے اسے ہاتھ لگائے، نیز معتکف کو چاہئے کہ مسجد سے باہر صرف اسی غرض کے لئے نکلے جس کے لئے نکلنا ضروری ہو، اور بغیر روزہ کے اعتکاف نہیں ہے، اور اعتکاف صرف اسی مسجد میں ہو سکتا ہے جس میں نماز جماعت کا اہتمام ہو"۔[71]

---

[69] -ان اقوال کے لئے دیکھئے فتح الباری، ج: ۴، ص: ۲۷۱، ۲۷۲، الاستذکار، ج: ۱۰، ص: ۲۷۳، ۲۷۵، مرعاۃ المفاتیح، ج: ۷، ص: ۱۶۵، ۱۶۶ / الموسوعۃ الفقهیۃ الکویتیۃ، ج: ۵، ص: ۲۱۱، ۲۱۲، اور فقہ الاعتکاف للشیخ خالد المشیقح، ص: ۱۱۲ تا ۱۲۳۔

[70] - مرعاۃ المفاتیح، ج: ۷، ص: ۱٦٦۔

محدث عصر علامہ البانی مرحوم کا خیال ہے کہ اعتکاف صرف تین مسجدوں ہی میں کرنا چاہئے، جیسا کہ زیر ترجمہ کتابچہ اور آپ کی معروف تصنیف السلسلۃ الصحیحہ سے واضح ہوتا ہے، البتہ علامہ مرحوم کی ان دونوں کتابوں میں کہیں بھی اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ ہند و پاک اور دنیا کے گوشے گوشے میں جو لوگ دیگر مسجدوں میں اعتکاف کرتے ہیں وہ بدعت کے مرتکب ہوتے ہیں، اور نہ ہی علامہ مرحوم نے کبھی ایسا کیا ہے کہ جن لوگوں نے اپنے اپنے ملکوں میں اعتکاف کیا ہے ان کے پاس جا کر ان سے زبردستی اعتکاف تڑوا کر انہیں گھر جانے پر مجبور کیا ہو، جیسا کہ ہمارے ہاں کے بعض حضرات کر رہے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ چند باتیں اس موضوع کی وضاحت سے متعلق رکھی جائیں، جس کا مقصد صرف حق کی وضاحت ہے علامہ مرحوم کی تردید ہرگز مقصود نہیں۔

❁ علامہ مرحوم کے نزدیک اعتکاف کا مساجد ثلاثہ کے ساتھ خاص ہونے کی دلیل

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی درج ذیل حدیث ہے:

حضرت سفیان بن عیینہ جامع بن شداد سے اور وہ ابو وائل سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: کچھ لوگ آپ کے اور حضرت ابو موسی اشعری کے گھر کے درمیان { جو مسجدیں ہیں ان } میں اعتکاف بیٹھے ہوئے ہیں، آپ انہیں روکتے کیوں نہیں؟ حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: اعتکاف صرف تین مسجدوں میں بیٹھا جا سکتا ہے" اس کے جواب میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ممکن ہے تم بھول رہے ہو اور ان لوگوں نے یاد رکھا ہو، یا تم سے غلطی ہو رہی ہو اور یہ لوگ راہ راست پر ہوں۔ [72]

یہ ہے وہ حدیث جس پر علامہ مرحوم نے اپنے استدلال کی بنیاد رکھی ہے، حالانکہ زیر غور مسئلہ پر یہ حدیث کئی اعتبار سے دلیل نہیں بن سکتی۔

[ا] یہ حدیث معلول [73] اور ضعیف ہے یہی وجہ ہے کہ تمام علمائے امت میں سے کسی نے بھی اسے قبول نہیں کیا، اس حدیث میں پائی جانے والی علمی وفنی کمزوریوں کی تفصیلات یوں ہیں: کہ اس حدیث کو حضرت سفیان سے ان کے سات شاگردوں نے روایت کیا ہے اور ان کی روایت میں شدید اختلافات ہیں، جن کی تفصیل اس طرح ہے:

◎ ا۔۔۔اس حدیث کو حضرت سفیان سے جب حضرت سعید بن منصور رحمہا اللہ روایت کرتے ہیں تو ان الفاظ میں مرفوعا روایت کرتے ہیں: " لا إعتكاف إلا فى المساجد الثلاثه أو قال : مسجد جماعة " [74]

" اعتکاف صرف تین مسجدوں میں ہے یا اعتکاف صرف نماز باجماعت والی مسجد میں ہے"

---

71 ۔سنن ابو داود: ۲۴۷۳، الصوم / السنن الکبری للبیہقی، ج: ۴، ص: ۳۱۷، دیکھئے صحیح سنن ابو داود، ج:۷، ص: ۲۳۵، ۲۳۶ / ارواء الغلیل، ج:۴، ص: ۱۳۹، ۱۴۰، علامہ البانی رحمہ اللہ اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حکما مرفوع ہے۔

72 ۔دیکھئے سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ نمبر: ۲۷۸۶۔

73 ۔اہل علم کی اصطلاح میں معلول وہ حدیث ہوتی ہے جس سند میں بظاہر کوئی خرابی نہ ہو البتہ اس میں کوئی ایسا پوشیدہ عیب پایا جا رہا ہو جو اس کے قابل استدلال ہونے میں مانع ہو۔

74 ۔المحلی، ج: ۵، ص: ۱۴۰۔

یعنی راوی کو شک ہے کہ حدیث کے الفاظ: "لا اعتکاف الا فی المساجد الثلاثۃ ہیں یا "لا اعتکاف إلا فی مسجد جماعۃ "ہیں۔

واضح رہے کہ حضرت سعید بن منصور فن حدیث کے امام اور ثقہ و حجت راوی ہیں۔

۲ــــاور جب اسی حدیث کو حضرت سفیان کے شاگرد محمد بن الفرج اور ہشام بن عمار روایت کرتے ہیں تو ان الفاظ میں مرفوعا روایت کرتے ہیں: "لا إعتکاف إلا فی المساجد الثلاثۃ"۔[75]

" اعتکاف صرف تین مسجدوں میں ہے"

یہ دونوں راوی بھی ثقہ ہیں لیکن قوت ضبط میں حضرت سعید بن منصور سے کم درجے کے ہیں، خاص کر ہشام بن عمار پر تو حفظ و یاداشت کے حوالے سے شدید اعتراضات ہیں۔

۳ــــنیز جب اسی حدیث کو حضرت سفیان کے شاگرد محمد بن آدم المروزی رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں تو وہ بھی مرفوعا روایت کرتے ہیں البتہ ان کے الفاظ اس طرح ہیں:

"لا إعتکاف إلا فی المسجد الحرام" أو قال "إلا فی المساجد الثلاثۃ"۔[76]

یعنی راوی کو شک ہے کہ آپ ﷺ نے صرف "المسجد الحرام" کا نام لیا یا المساجد الثلاثہ کا نام لیا۔

واضح رہے کہ محمود بن آدم بھی ثقہ راوی اور امام بخاری کے اساتذہ میں سے ہیں، علامہ مرحوم نے ان کی توثیق اور ان کے قابل حجت ہونے پر صحیحہ میں ایک لمبی بحث کی ہے۔[77]

یہ رہا حضرت سفیان کے ان چار شاگردوں کی روایات کا حال جو اس حدیث کو مرفوعا روایت کرتے ہیں، تا وقت تحریر اس میں سے کس راوی کی روایت کو دوسرے پر ترجیح دی جائے یہ بات راقم سطور کے نزدیک واضح نہیں ہوئی، اور نہ کبار محدثین میں سے کسی محدث کا قول میرے سامنے ہے کہ اس پر غور کیا جاسکے، لیکن اس بات سے اختلاف کی گنجائش نہیں کہ حضرت سعید بن منصور باقی تینوں راویوں کے مقابلہ میں زیادہ قابل اعتبار راوی ہیں۔ واللہ اعلم۔

اور اسی حدیث کو جب حضرت سفیان کے شاگرد حضرت عبد الرزاق بن ھمام، حضرت سعید بن عبد الرحمن اور محمد بن ابی عمرو رحمھم اللہ روایت کرتے ہیں تو مرفوع کے بجائے موقوفا روایت کرتے ہیں، چنانچہ حضرت الامام عبد الرزاق رحمہ اللہ کی روایت کے الفاظ ہیں: "لا إعتکاف إلا فی ھذہ المساجد الثلاثۃ"۔[78]

" اعتکاف صرف انہی تین مسجدوں میں ہے"

اور سعید بن عبد الرحمن و محمد بن عمرو رحمہما اللہ کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

"لا إعتکاف إلا فی المسجد الحرام" أو قال "إلا فی المساجد الثلاثۃ" [79]

---

75 ۔ معجم الاسماعیلی { الصحیحہ: ۲۷۸۶ للألبانی، شرح معانی الآثار، ج: ۷، ص: ۲۰۱ }۔

76 ۔السنن الکبری للبیہقی، ج: ۴، ص: ۳۱۶۔

77 ۔الصحیحہ، ج: ۶، ص: ۶۷۱، ۶۷۳ للألبانی۔

78 ۔مصنف عبد الرزاق، ج: ۴، ص: ۳۴۸۔

" اعتکاف نہیں ہے مگر مسجد حرام میں یا مخصوص تین مسجدوں میں "

نیز امام ابو بکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو موقوفا روایت کیا ہے۔[80]

اسی طرح اس حدیث کو حضرت سفیان سے امام عبدالرزاق اور امام ابن ابی شیبہ نے اپنے استاذ وکیع کے حوالے سے ایک اور سند سے روایت کرتے ہیں اور وہ روایت بھی موقوف ہی ہے۔[81]

واضح رہے کہ یہ تمام راوی بھی ثقہ ہیں بلکہ امام عبدالرزاق اور امام ابن ابی شیبہ تو اپنے اپنے وقت کے امام ہیں۔

اب ہر شخص اس بات پر غور کر سکتا ہے کہ اولا تو اس حدیث کے مرفوع و موقوف ہونے میں شدید اختلاف ہے، ثانیا اس کے الفاظ میں اختلاف ہے۔[82] یہ سارے اختلاف واضح کرتے ہیں کہ اس حدیث کی صحت ہی مشکوک ہے جس کو بنیاد بنا کر قرآن کے عموم کو مخصوص نہیں کیا جاسکتا۔

اور اگر مزید تحقیق میں جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ اس حدیث کے موقوف ہونے کی تائید دوسرے اور طریقوں سے بھی ہوتی ہے جنہیں المعجم الطبرانی الکبیر میں دیکھا جاسکتا ہے۔[83]

شاید یہی وجہ ہے کہ بہت سے کبار محدثین اس حدیث کو بطور موقوف ہی نقل کرتے چلے آرہے ہیں، اور اس کے مرفوع ہونے کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتے، جیسے شارحین صحیح البخاری ابن بطال، حافظ ابن حجر، حافظ بدر الدین العینی رحمہم اللہ، نیز حافظ ابن عبد البر اور ابن الملقن وغیرہ۔[84]

ان محققین کا اس حدیث کو مرفوع نہ نقل کرنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث مرفوعا ثابت نہیں ہے، کسی ایک محدث کا غفلت کر جانا تو فطری بات ہے، بیک وقت سب کا چوک جانا نا قابل سمجھ بات ہے۔

[۲] حدیث کے متن پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے فوراہی حضرت حذیفہ ﷺ کی تردید ان الفاظ میں کردی تھی "یا تو آپ سے بھول ہورہی ہے، یا پھر آپ مسئلہ کو سمجھنے میں غلطی کررہے ہیں"، مزید یہ کہ حضرت حذیفہ ﷺ حضرت عبداللہ ابن مسعود کی بات کا کوئی جواب نہیں دیتے۔ حالانکہ میری نظر میں یہ بعید ہے کہ حضرت حذیفہ ﷺ اس حدیث کے فرمان نبوی ہونے پر یقین رکھتے ہوں، اسے اپنے معنی و مفہوم میں صریح بھی سمجھتے ہوں اس کے باوجود وہ حضرت ابن

---

79 -اخبار مکہ للفاکہی، ج: ۲، ص: ۱۴۹۔

80 -مصنف ابن ابی شیبہ۔

81 -مصنف عبدالرزاق، ج: ۴، ص: ۳۴۷، نیز دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ، ج: ۳، ص: ۹۱۔

82 -بہت ممکن ہے کہ یہ اختلافات امام سفیان رحمہ اللہ کے بعض اساتذہ کی طرف سے ہوں، کیونکہ امام سفیان رحمہ اللہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ مدلس راوی ہیں، البتہ یہ بات ضروری ہے کہ علماء حدیث کا کہنا ہے کہ وہ صرف ثقہ راوی ہی سے تدلیس کرتے ہیں، لیکن یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ علمائے حدیث کا یہ حکم عمومی اعتبار سے ہے کلی اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ تلاش کے بعد بعض ایسے راوی بھی ملے ہیں جن سے امام سفیان تدلیس کرتے ہیں اور وہ خود بھی مدلس اور ضعیف ہیں جیسا کہ ان میں سے بعض نام حافظ زبیر علی زئی نے اپنے مقالہ میں کیا ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔ واللہ أعلم۔۔

83 -الطبرانی الکبیر، ج: ۹، ص: ۳۴۹، ۳۵۰۔

84 -شرح صحیح البخاری، ج: ۴، ص: ۱۶۱ / فتح الباری، ج: ۴، ص: ۲۷۲ / عمدۃ القاری، ج: ۱۱، ص: ۱۴۱ / التمھید، ج: ۸، ص: ۳۲۵ / الاعلام، ج: ۵، ص: ۴۳۰۔

مسعود کی اس تردید کا کوئی جواب نہ دیں اور خاموش ہو جائیں، نیز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے موقف کی تائید ان الفاظ میں کر دیتے ہیں کہ:

" أما أنا قد علمت أن الاعتكاف إلا في مسجد جماعة " [85]۔

" البتہ میں تو یہ جانتا ہوں کہ اعتکاف اسی مسجد میں کیا جا سکتا ہے جس میں نماز باجماعت کا اہتمام ہو" ۔

[۳] حضرت حذیفہؓ سے مروی زیر بحث حدیث ایک ایسی حدیث ہے جس کے مطابق کسی امام یا عالم کا فتویٰ نہ کبھی رہا ہے اور نہ ہی کسی امام نے اسے قبول کیا ہے، بلکہ تمام امت کے اہل علم کا اجماع اس کے خلاف ہے۔ اور جن دو بزرگوں کا نام ان کی تائید میں نقل کیا جاتا ہے وہ بھی محل نظر ہے کیونکہ حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کا قول اپنے مفہوم میں واضح نہیں ہے کیونکہ اس کے الفاظ ہی مختلف نقل کئے گئے ہیں، کہیں " مسجد النبوی صلی اللہ علیہ وسلم " ہے اور کہیں " مسجد نبی " کا لفظ ہے،[86] اور ظاہر ہے کہ دونوں الفاظ کے مفہوم مختلف ہیں اور دونوں کی سند بھی صحیح ہے، اب اگر عام کو خاص پر محمول کیا جائے تو اس سے " مساجد ثلاثہ " میں اعتکاف کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ صرف " مسجد نبی صلی اللہ علیہ وسلم " میں اعتکاف کا ثبوت ہوتا ہے جو علامہ مرحوم کے موقف کے خلاف ہے، واضح رہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت سعید بن المسیب کا یہی قول نقل کیا ہے یعنی اعتکاف صرف مسجد نبوی میں ہو سکتا ہے۔[87]

اور جہاں تک حضرت عطاء کے قول کا تعلق ہے تو وہ بھی " مساجد ثلاثہ " کے ساتھ اعتکاف کو خاص نہیں بلکہ مسجد حرام اور مسجد نبوی کے ساتھ اعتکاف کو خاص مانتے ہیں۔[88]

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ذمہ داری کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان دونوں بزرگوں نے اس حدیث کے مطابق فتویٰ دیا ہے، نیز یہ بھی کہیں اشارہ نہیں ملتا کہ ان بزرگوں نے اپنے قول کی بنیاد اسی حدیث پر رکھی ہے۔۔ واللہ اعلم۔

اس کے برخلاف متعدد صحابہ کا قول بسند صحیح ثابت ہے کہ ہر وہ مسجد جس میں نماز باجماعت کا اہتمام ہو اس میں اعتکاف کیا جا سکتا ہے چنانچہ مشہور عالم حدیث شیخ سلیمان بن ناصر العلوان حفظہ اللہ اپنے ایک فتویٰ میں لکھتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے بسند صحیح ثابت ہے کہ ہر اس مسجد میں اعتکاف صحیح ہے جس میں نماز باجماعت کا اہتمام ہوتا ہو اور کسی بھی صحابی سے ان حضرات کی مخالفت ثابت نہیں ہے۔[89]

[۴] اللہ تبارک وتعالیٰ نے اعتکاف کے لئے مسجد کی شرط کو روزہ کے احکام کے ضمن میں بیان کیا ہے، یعنی اس سے پوری امت کو خطاب فرمایا ہے اور مسجدوں کے لئے جمع کثرت اور جمع منتہی الجموع کا صیغہ استعمال کیا ہے اور بہت سے ائمہ لغت کے نزدیک جمع کثرت

---

[85] ۔ معجم الطبرانی الکبیر، ج:۹، ص: ۳۴۹
[86] ۔ مصنف عبدالرزاق، ج:۴، ص: ۳۴۶، المحلی، ج: ۵، ص: ۱۹۴۔
[87] ۔ فتح الباری، ج: ۴، ص: ۲۷۲۔
[88] ۔ مصنف عبدالرزاق، ج:۴، ص: ۳۴۹ / فتح الباری، ج:۴، ص: ۲۷۲۔
[89] ۔ شیخ العلوان کا یہ فتویٰ www.almoslim.net پر دیکھا جا سکتا ہے۔

اور جمع الجمع کا اطلاق دس اور اس سے زیادہ کی تعداد پر ہوتا ہے، اب اگر اعتکاف کو صرف مذکورہ تین مسجدوں کے ساتھ خاص کر دیا جائے تو اس کا مطلب ہوگا کہ امت کی بڑی تعداد اس حکم پر عمل کرنے سے محروم رہے گی، کیونکہ اکثر مسلمان کی عظیم اکثریت مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے باہر ہی رہتی ہے۔

[۵] اعتکاف ایک ایسا مسئلہ ہے جو امت کو ہر وقت یا کم از کم ہر رمضان میں درپیش ہوتا ہے، اب اس سے متعلق نبی ﷺ کی صرف ایک ہی حدیث ہو اور اس کے الفاظ و سند میں بھی اس قدر شدید اختلاف ہو، تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا قول و عمل اس کے خلاف ہو، اور حضرت عبد اللہ بن مسعود جیسا علم کا سمندر صحابی اس کی حقیقت کی تردید کرے، نیز حدیث کی مشہور و متداول کتابوں میں سے کسی کتاب میں یہ حدیث نہ پائی جائے اور آج چودہ سو سال سے زائد عرصہ میں پیدا ہونے والا کوئی امام ربانی اس کے مطابق فتوی نہ دے وغیرہ وغیرہ، یہ تمام ایسی باتیں ہیں جو اس حدیث سے استدلال میں مانع اور سلف کے پیروکاروں کو شک میں ڈال دینے والی ہیں۔

[٦] اگر بالفرض اس حدیث کو صحیح و مستحکم بھی مان لیا جائے جیسا کہ علامہ مرحوم کا خیال ہے تو اس کا معنی صرف یہ ہوگا کہ کامل اور افضل اعتکاف صرف انہی مسجدوں میں ہو سکتا ہے، جیسا کہ یہ اسلوب ہر زبان میں پایا جاتا ہے کہ کسی چیز کی نفی سے مراد بسا اوقات نفی کمال یا وجود کمال ہوتا ہے، بعض حدیثوں میں بھی یہ اسلوب استعمال ہوا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لَا اِیمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِینَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ" [90]

" جو امانت کی ادئیگی کا پابند نہ ہو وہ مومن نہیں ہے اور جو عہد کا پاس و لحاظ نہ رکھے وہ دیندار نہیں ہے"۔

اور شاید حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے قول " لعلک نسیت و حفظوا وأخطأت و أصابوا " سے یہی مراد لیا ہے کہ ممکن ہے تم بھول گئے اور ان لوگوں نے یاد رکھا اور تم نے سمجھنے میں غلطی کی ہو اور ان لوگوں نے صحیح سمجھا ہو، جیسا کہ علامہ مرحوم نے خود اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔[91]

✲ ✲ ہر طالب علم کے سامنے یہ حقیقت رہنی چاہئے کہ علامہ مرحوم کے علاوہ کوئی بھی عالم نظر نہیں آتا جس نے اس حدیث کو صحیح یا حسن کہا ہو، صرف امام ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب سیر اعلام النبلاء میں اس حدیث کو بطور سند صحیح کہا ہے اور ساتھ ہی اس حدیث کے متن کو غریب قرار دیا ہے { سیر اعلام النبلاء: ۱۵، ص: ۸۰ } اس کے برخلاف کبار محدثین جیسے حافظ ابن حجر، حافظ ابن عبد البر اور ابن الملقین وغیرھم رحمہم اللہ کا اسے صرف موقوفا نقل کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے یہ حدیث علمائے حدیث و فقہاء کے نزدیک مرفوعا ضعیف ہے، معاصرین میں سے حدیث سے دلچسپی رکھنے والے متعدد اہل علم نے اس حدیث کو ضعیف و معلول قرار دیا ہے، جیسے فضیلۃ الشیخ سلیمان بن ناصر العلوان، شیخ الحدیث مولانا حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ، اور حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ وغیرھم۔

---

90 - مسند احمد، ج:۳، ص: ۱۳۵ / صحیح ابن حبان { الموارد: ۴۷، ص: ۴۱ } بروایت انس۔

91 - الصحیحہ، ج:٦، ص: ٦٦٧، اور حدیث صحیح ہے، صحیح الجامع ہے۔

بعض احباب کے مشورہ سے حافظ ثناء اللہ مدنی کا فتوی بھی شامل رسالہ کردیا جارہا ہے، البتہ حافظ زبیر علی زئی کا مقالہ مجلہ ہفت روزہ الاعتصام لاہور جلد:۵۲، شمارہ:۴۹ سن: ۱۴۲۱ھ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

یامندرجہ ذیل ویب سائٹ پر مطالعہ کیجئے : www.islamdawah.com/urdu

❋❋❋

اگر غور کیا جائے تو حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کا اعتکاف کو مسجد نبوی کے ساتھ خاص ماننا اور حضرت عطاء رحمہ اللہ کا مسجد نبوی اور مسجد حرام کے ساتھ خاص ماننے کی اس کے علاوہ کوئی اور توجیہ نہیں کی جاسکتی۔ دو انتہائی آراء قائم کرنے کے بجائے اس طرح موافقت اور اجماع امت کی راہ نکالی جاسکتی ہے، واللہ اعلم۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی صحت کی صورت میں یہی توجیہ میرے نزدیک اس لئے بھی متعین ہے کہ اس طرح اس میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا ورنہ دونوں حدیثیں آپس میں متعارض ہونگی کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اعتکاف کے لئے ایسی مسجد کا ہونا کافی ہے جس میں نماز باجماعت کا اہتمام ہوتا ہو۔ واللہ اعلم
--

یہ چند کلمات مکان اعتکاف سے متعلق تھے جنہیں ناظرین کے سامنے دلیل و تفصیل کے ساتھ اس لئے رکھا گیا کہ نفس مسئلہ کی وضاحت ہو جائے اور علامہ مرحوم کے مخالف قول کی قوت سامنے آجائے۔ واللہ أعلم بالصواب۔

◎ دوسرے فتوے :

علامہ قصیم فقیہ عصر فضیلة الشیخ محمد بن صالح العثیمین کا فتوی :

علامہ مرحوم ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

جواب: مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصی کے علاوہ دیگر مسجدوں میں بھی اعتکاف اپنے وقت میں صحیح ہے، اعتکاف صرف انہی تین مسجدوں کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ان تین مسجدوں اور ان کے علاوہ دیگر مسجدوں میں بھی اعتکاف ہو سکتا ہے، امام احمد، امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے تمام متبعین ائمہ کا یہی مسلک رہا ہے، جس کی دلیل یہ فرمان الہی ہے:

[ولا تباشروهن وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ] {البقرۃ:۱۸۷}

" اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو تو ان سے مباشرت نہ کرو" ۔

اس آیت میں لفظ مسجد عام اور روئے زمین کی تمام مسجدوں کے لئے ہے، نیز آیت کا یہ حصہ روزہ سے متعلقہ ان آیتوں کے آخر میں وارد ہے جن میں روزہ کے وہ احکام بیان ہوئے ہیں جو تمام روئے زمین کے مسلمانوں کے لئے ہیں، اس اصول کی بنا پر اس جملہ کے مخاطب وہ تمام لوگ ہیں جو روزہ کے حکم کے مخاطب ہیں، اس لئے یہ تمام احکام جو سیاق وخطاب میں ایک جیسے ہی ہیں اس فرمان الہی پر ختم ہوتے ہیں:

[تِلْكَ حُدُودُ اللهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ]

{البقرۃ:۱۸۷}

" یہ خدا کی حدیں ہیں ان کے پاس نہ جانا۔ اسی طرح خدا اپنی آیتیں لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ وہ پرہیزگار بنیں"۔

اور یہ چیز بہت بعید ہے کہ اللہ تبارک وتعالی پوری امت کو ایسے اسلوب سے خطاب کرے جو امت کے چند افراد پر لاگو ہوتا ہو،

اور جہاں تک حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث " لا اعتکاف إلا فی المساجد الثلاثه " کا تعلق ہے، بشرط یہ کہ یہ حدیث اگر اس کے دلیل بننے میں رکاوٹ بننے والے امور سے بچی بھی رہے تو اس سے مراد نفی کمال ہے، اس معنی میں کہ اعتکاف کامل وہی

ہے جو ان تین مسجدوں میں سے کسی ایک مسجد میں کیا جائے، کیونکہ ان کی فضیلت و شرف بہت زیادہ ہے، { قرآن وحدیث میں } اس قسم کی عبارت اکثر پائی جاتی ہے کہ نفی سے مراد نفی کمال ہے، صحت کی نفی مراد نہیں، جیساکہ فرمان نبوی ہے:

"لا صلاۃ بحضرۃ الطعام "۔[92]

" کھانے کی موجودگی میں نماز نہیں ہے"

اوراس میں کوئی شک نہیں کہ " نفی " سے مراد دراصل حقیقت شرعیہ اور حسیہ کی نفی ہوتی ہے، لیکن اگر کوئی ایسی دلیل موجود ہو جو حقیقی معنی لینے میں رکاوٹ بنے تو نفی کمال ہی مراد لینا متعین ہو جاتاہے، جیساکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا معاملہ ہے، یہ اس صورت میں ہے کہ حدیث حذیفہ دلیل میں رکاوٹ بننے والے امور سے { جیسے ضعف، موقوف یا منسوخ وغیرہ } بچی ہو۔[93]

والله أعلم

بقلم الفقیر إلی اللہ

محمد الصالح العثيمين

۱۴۰۹/۹/۱۱ھ

❋ ❋ ❋

◎ شیخ الحدیث مولانا حافظ ثناء اللہ مدنی، رحمہ اللہ کا فتوی:

الجواب بعون الوھاب : سوال میں مذکور روایت سنن کبری، بیہقی: ۲۱۶/۴ میں بایں الفاظ ہے:

"لا اعتکاف الا فی المسجد الحرام أو قال فی المساجد الثلاثۃ "یعنی "اعتکاف صرف مسجد الحرام میں ہے یا یوں فرمایا صرف تین مسجدوں میں ہے" اور منتقی الاخبار میں بحوالہ سنن سعید بن منصور روایت کے الفاظ یوں ہیں: "لا اعتکاف إلا فی المساجد الثلاثۃ أو قال فی مسجد جماعۃ "یعنی" اعتکاف صرف تین مسجدوں میں ہے یا فرمایا اعتکاف اس مسجد میں ہے جہاں نماز جماعت کا اہتمام ہو" ۔

امام شوکانی نیل الأوطار: ۲۸۴/۴، میں فرماتے ہیں لیکن ابن ابی شیبہ نے روایت ہذا کا مرفوع حصہ بیان نہیں کیا صرف حذیفہ اور ابن مسعود کی گفتگو پر اکتفا کیا ہے، اس کے الفاظ یوں ہیں: "إن حذیفۃ جاء إلی عبد اللہ فقال ألا أعجبک من قوم عکوف بین دارك و دار الأشعری یعنی المسجد قال عبد اللہ فلعلھم أصابوا و أخطأت "یعنی" حذیفہ ابن مسعود کے پاس آئے، کہا کیا میں تجھے تعجب والی بات نہ بتاؤں، کچھ لوگ تیرے اور اشعری کے گھر کے درمیان یعنی مسجد میں اعتکاف بیٹھے ہیں۔ جوابا عبد اللہ نے کہا ممکن ہے

92 - صحیح مسلم: ۱۵۶، المساجد۔

93 - مجموع فتاوی ورسائل الشیخ، ج: ۲۰، ص: ۱۶۱، ۱۶۲۔

ان کا فعل درست ہو { روکنے میں } تجھ سے غلطی سرزد ہوئی ہو" پھر علامہ موصوف رقمطراز ہیں: " فهذا يدل على أنه لم يستدل على ذلک بحديث عن النبی ﷺ وعلى أن عبد الله يخالفه ويجوز الاعتكاف فی كل مسجد ولو كان ثم حديث عن النبی ﷺ ما خالفه و ایضا الشک الواقع فی الحديث مما يضعف الاحتجاج أحد شقيه "یعنی" اس سے معلوم ہوا کہ حذیفہ کا استدلال حدیث رسول ﷺ پر مبنی نہیں تھا،اور اس بناپر بھی کہ عبداللہ ان کی مخالفت کررہے ہیں،اور ہر مسجد میں اعتکاف کے جواز کے قائل ہیں اور اگر کوئی مرفوع حدیث نبی ﷺ سے موجود ہوتی تو عبداللہ مخالفت نہ کرتے،اور اسی طرح حدیث میں واقع شک بھی ایک طرف استدلال کو کمزور کرتاہے" ۔ نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جیسے عظیم محدث نے فتح الباری: ۲۷۲/۴،میں حذیفہ کا قول نقل کیاہے کہ اعتکاف تین مساجد سے مخصوص ہے لیکن بطور استدلال یہ روایت نقل نہیں کی، حالانکہ مقام کا تقاضا تھا اس کو بیان کیا جاتا،ایسے موقعہ پر مستدل کی موجودگی کے باوجود ذکر نہ کرنا محدثین کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا بالخصوص جب کہ امیر المومنین فی الحدیث بخاری نے اپنی صحیح میں بایں الفاظ تبویب قائم کی ہو " باب الاعتكاف فی العشر الاوخر ، والاعتكاف فی المساجد كلها بقوله تعالى : ولا تباشروهن وانتم عاكفون فی المساجد تلک حدود الله فلا تقربوها كذلک يبين الله آياته للناس لعلهم يتقون "یہ امر تو مزید اہتمام کا متقاضی تھا کہ روایت ہذا کو مقام بحث میں ذکر کیا جاتا" اذ ليس فليس " بناء بریں اس روایت سے قرآن کے عموم" انتم عاكفون فی المساجد "کی تخصیص کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

{ماخوذ از: ہفت روزہ الاعتصام،لاہور/ شمارہ،۱۲،مارچ ۱۹۹۳ء،صفحہ نمبر: ۷،۸ }

دوسرا مسئلہ : دعائے قنوت وتر رکوع سے قبل یا رکوع کے بعد:؟

علامہ مرحوم رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ وتر میں دعائے قنوت رکوع سے قبل ہی متعین ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ بھی علماء کے نزدیک مختلف فیہ چلا آرہاہے،اس سلسلے میں صحیح تر رائے یہ ہے کہ دونوں صورتوں کو جائز سمجھا جائے اور فرق صرف افضلیت وغیر افضلیت کا رکھا جائے،اس کے برعکس اگر رکوع کے بعد قنوت وتر کو بدعت قرار دیا جائے اور جن مسجدوں میں عرصہ سے قنوت وتر رکوع کے بعد پڑھا جاتا تھا اسے زبردستی بند کروادیا جائے تو یہ بات اہل علم و تحقیق اور اختلافی مسائل پر انصاف پسند نظر رکھنے والے علماء کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے، کیونکہ عام نمازوں میں قنوت جسے قنوت نازلہ کہا جاتاہے رکوع کے بعد بکثرت احادیث سے ثابت ہے اور چونکہ قنوت وتر اور قنوت نازلہ دعا ہونے اور نماز کے اندر ہونے میں ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں، لہذا علماء نے قنوت وتر کو قنوت نازلہ قیاس کیاہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی کتاب صحیح البخاری میں باب منعقد کرتے ہیں:

"باب القنوت قبل الركوع وبعده" صحيح البخاری ، كتاب الوتر باب :۷

" باب اس بیان میں کہ قنوت رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد دونوں طرح ہے"

پھر اسکے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے قنوت نازلہ سے متعلق چار حدیثیں نقل فرمائی ہیں، جس کا واضح مطلب ہے کہ امام رحمہ اللہ نے قنوت وتر کو قنوت نازلہ پر قیاس کیا ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور دوسرے کبار ائمہ نے بھی قنوت وتر کو قنوت نازلہ پر قیاس کیا ہے ،خود علامہ البانی رحمہ اللہ نے ارواء الغلیل میں ان ائمہ کے اقوال نقل فرمائے ہیں۔[94]

اس کے علاوہ عہد فاروقی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے عمل سے بھی وتر میں دعائے قنوت رکوع کے بعد ثابت ہے ، { چنانچہ حضرت عبد الرحمن بن عبد القاری رحمہ اللہ جو عہد فاروقی میں عبد اللہ بن الارقم کے ساتھ بیت المال کے نگراں تھے ، بیان کرتے ہیں کہ ایک بار رمضان کی ایک شب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ باہر نکلے ، مسجد کے پاس سے گزر ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ مختلف ٹولیوں میں بٹے ہوئے ہیں، کوئی شخص اکیلے نماز پڑھ رہا ہے اور کسی کے ساتھ ایک جماعت نماز پڑھ رہی ہے، یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واللہ میرا خیال ہے کہ ان لوگوں کو اگر ایک ہی امام کے پیچھے جمع کر دیا جائے تو بہتر ہو گا، پھر انہوں نے اس کا فیصلہ کر لیا اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کو باجماعت تراویح پڑھائیں، پھر کچھ دنوں کے بعد ایک بار پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزران لوگوں پر ہوا اور دیکھا کہ لوگ اپنے امام کے پیچھے ایک ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں، یہ دیکھ کر فرمایا: یہ کتنی اچھی بدعت ہے، اور یہ لوگ جس وقت سوئے رہتے ہیں یعنی رات کا آخری حصہ وہ اس وقت سے بہتر ہے جس میں یہ نماز پڑھ رہے ہیں، اور لوگ نصف رمضان کے بعد ان الفاظ میں کافروں پر لعنت بھیجتے تھے، ان کی دعا یہ تھی: "اللهم قاتل الكفرة الذين يَصدون عن سبيلك ويكذبون رسلك ولا يؤمنون بوعدك وخالف بين كلمتهم وألق في قلوبهم الرعب وألق عليهم رجزك وعذابك إله الحق "

امام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتا اور حسب استطاعت لعنت بھیج کر، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھ کر اور مومن مردوں اور عورتوں کے لئے دعائے استغفار سے فارغ ہوتا تو آخر میں یہ دعا پڑھتا:

" اللهم إياك نعبد ولك نصلي ونسجد وإليك نسعى ونحفد ونرجو رحمتك ربنا ونخاف عذابك الجد ان عذابك لمن عاديت ملحق "

اس کے بعد امام اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں چلا جاتا۔[95]

عہد فاروقی کا یہ واقعہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ امام لوگوں کو وتر میں دعائے قنوت رکوع کے بعد پڑھاتا تھا اور تمام صحابہ وتابعین ان کی اتباع کیا کرتے تھے۔

اس لئے صحیح مسلک یہی ہے کہ وتر میں قنوت رکوع سے قبل وبعد دونوں طرح جائز اور صحابہ کے عمل سے ثابت ہے، چنانچہ اس سلسلے میں تشدد برتنا، جو لوگ قنوت وتر رکوع کے بعد پڑھتے ہیں، انہیں منع کرنا اور جن مسجدوں میں قنوت وتر رکوع کے بعد پڑھی جاتی ہے ان کے لئے فتنہ کھڑا کرنا اور قوت وطاقت کے زور پر انہیں مجبور کرنا کسی عالم کا کام نہیں ہو سکتا، جذباتی، کم تجربہ کار حضرات جو ہر نئی آواز کے پیچھے بے سوچے سمجھے ہو لیتے ہیں ان سے گزارش ہے کہ اس قسم کا کوئی قدم اٹھانے سے قبل معتبر، قابل اعتماد اور تجربہ کار اہل علم کی طرف رجوع کر لیا کریں، تاکہ علماء کا مقام بھی باقی رہے اور ان کی اڑان بھی صحیح سمت رہے، یہی بات میں نے ستائیس رمضان ۱۴۲۷ھ کی شب جامع مسجد مومن پورہ ممبئی میں مسجد کے بعض ذمہ داروں کے سامنے رکھی تھی کیونکہ اس مسجد میں ایک عرصہ سے وتر

---

[94] -ارواء الغلیل، ج:۲، ص: ۱۶۳، ۱۶۴۔

[95] - صحیح ابن خزیمہ، ج:۲، ص: ۱۵۵، ۱۵۶۔

میں دعائے قنوت رکوع کے بعد پڑھی جاتی تھی، یہ وہی مسجد ہے جس کی امامت اس سے قبل مولاناداود راز اور مولانامختار احمد ندوی رحمہااللہ

اور قاری نجم الحسن فیضی حفظہ اللہ جیسے اہل علم کراچکے ہیں اور ہندوستان کے گوشے گوشے سے اہل علم یہاں آتے رہے ہیں، لیکن ایک جذباتی، کم تجربہ اور نوفارغ نوجوان مولوی نے اس طریق کار کو بدعت کہتے ہوئے بدل کر رکوع سے پہلے دعا کروانا شروع کردیا تھا، اتفاق سے اس مجلس میں میرے بڑے بھائی قاری نجم الحسن اور مولانا عبدالرحمن مبارکپوری حفظہ اللہ فرزندارجمند شیخ الحدیث مبارکپوری رحمہ اللہ بھی موجود تھے، سلسلۂ گفتگو میں مولاناعبدالرحمن حفظہ اللہ نے فرمایا کہ والد مرحوم نے مرعاۃ میں رکوع سے قبل دعائے قنوت کوافضل قراردیاہے لیکن خودآخری عمرتک ان کا معمول یہی رہاہے کہ وہ دعائے قنوت رکوع کے بعدہی پڑھتے رہے ہیں، اس وقت ہم نے برجستہ کہا تھا" یہ ہے علم جو بول رہاہے "

خلاصہ یہ کہ دعائے قنوت وتر رکوع سے پہلے بھی جائزہے اور رکوع کے بعد بھی بلاشبہ مشروع اور جائزہے، اس سے انکار اور اس کے عدم جواز کی کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

❁❁❁

❁ تیسرا مسئلہ :

قنوت وتر میں" اللهم اهدنی "کے بجائے" اللهم اهدنا "کا استعمال کرنا:

وتر سے متعلق ہمارے یہاں ایک مسئلہ یہ چھڑتاہے کہ امام اگر دعائے قنوت پڑھ رہاہے تو وہ" اللهم اهدنی و عافینی و تولنی " ہی پڑھے گا جیساکہ حدیث میں وارد ہے، یا جماعت کی مناسبت سے جمع متکلم کی ضمیر" اللهم اهدنا و عافنا وتولنا "استعمال کرے گا۔

بعض لوگ جو دعائے ماثورہ میں تبدیلی کے قائل نہیں ہیں وہ امام کے لئے " اللهم اهدنی " کہنا ہی ضروری سمجھتے ہیں، بلکہ بعض لوگ تو اس قدر تشدد برتتے ہیں کہ جمع متکلم کی ضمیر استعمال کرنے کو بدعت قرار دیتے ہیں چنانچہ ابھی ابھی جس جامع مسجد کا ذکر آیا ہے اس میں ایک مدت سے امام قنوت میں" اللهم اهدنا "یعنی جمع متکلم کی ضمیر استعمال کرتا تھا، لیکن بعض حضرات نے اس میں تبدیلی کرکے" اللهم اهدنی "کردیا، اس مسئلے پر کئی اعتبار سے گفتگو کی جاسکتی ہے لیکن چونکہ یہ صفحات تفصیل کے متحمل نہیں ہیں لہذا صرف دو باتوں پر اکتفا کیا جاتاہے۔

اولی : قطع نظر اس سے کہ دعائے ماثورہ میں تبدیلی مطلقا ناجائزہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے، وقت اور جگہ کی مناسبت سے دعا میں واحد کی جگہ جمع متکلم کی ضمیر استعمال کرنا کوئی ایسی تبدیلی نہیں ہے جس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ" اللهم اهدنی "کی جگہ امام

اگر جماعت کی مناسبت سے " اللهم اهدنا " کہہ دیتا ہے تو وہ دعائے ماثورہ میں تبدیلی کا مرتکب ہو رہا ہے، جیسا کہ ہر صاحب بصیرت سمجھ سکتا ہے، چنانچہ حافظ عبداللہ صاحب روپڑی رحمہ اللہ نے ایک طویل فتوے میں اس کی وضاحت کر دی ہے۔[96] کیونکہ اس تبدیلی میں نہ تو تقدیم وتاخیر ہے نہ کمی وزیادتی اور نہ ہی اس سے معنی ومفہوم میں کوئی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔

دوم : عہد صحابہ ہی سے سلف کا یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ جب جماعت کے ساتھ دعائے قنوت پڑھتے تھے تو جمع کی ضمیر استعمال کرتے تھے، تاوقت تحریر دعائے قنوت " اللهم اهدني فيمن هديت " سے متعلق کوئی صحیح اثر مجھے نہیں مل سکا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی جس روایت میں " اللهم اهدنا " کا ذکر ہے وہ ضعیف ہے، جس کی وضاحت شیخ الحدیث مبارکپوری رحمہ اللہ نے مرعاۃ المفاتیح میں کر دی ہے، البتہ علامہ حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ نے اسے قوی تسلیم کیا ہے۔[97] البتہ اس کے علاوہ دیگر دعائیں جو قنوت سے متعلق وارد ہیں وہ تمام جمع کے صیغے کے ساتھ ہیں، عہد فاروقی سے متعلق ابھی ابھی دوسرے مسئلے میں جو روایت نقل کی گئی اس میں بھی جو دعا مذکور ہے وہاں بھی جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر تابعین وغیرہ سے جو قنوت کتب حدیث میں مروی ہے اس میں بھی جمع کا ہی صیغہ استعمال ہوا ہے۔[98]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی ایک سوال کے جواب میں ضمناً یہ لکھا ہے کہ اگر مقتدی کسی دعا پر آمین بول رہے ہیں تو امام جمع کی ضمیر استعمال کرے گا۔[99] امام عبدالرزاق بن ھمام اور امام بغوی رحمہم اللہ نے بھی اس کی صراحت کی ہے، چنانچہ امام عبدالرزاق رحمہ اللہ اپنی تالیف میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ایک قنوت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ " ولو كنت اماما قلت هذا القول ثم قلت : اللهم اهدنا فيمن هديت "[100]

یعنی اگر میں امام ہوتا تو اس دعا کو پڑھتا اور جب یہ دعا پڑھ کر فارغ ہوتا تو یہ دعا بھی پڑھتا: " اللهم اهدنا فيمن هديت " ۔

امام محی السنہ بغوی رحمہ اللہ اپنی کتاب شرح السنہ میں باب باندھتے ہیں: " الدعاء في القنوت " اس باب کے تحت سب سے پہلے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی وہی مشہور حدیث نقل کرتے ہیں جس میں دعائے قنوت کا ذکر ہے: " اللهم اهدني فيمن هديت " الخ، پھر اس حدیث پر کچھ گفتگو کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اگر دعائے قنوت پڑھنے والا شخص امام ہو تو جمع کی ضمیر استعمال کرے گا اور کہے گا " اللهم اهدنا ، وعافنا وتولنا وبارك لنا وقنا " اور واحد کی ضمیر استعمال کر کے صرف اپنے لئے ہی دعا نہ کرے گا، پھر اس کے بعد حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث نقل کی ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ **" اگر کوئی شخص لوگوں کی امامت کر رہا ہے اور صرف اپنے لئے ہی دعا کرتا ہے تو وہ ان کے ساتھ خیانت کر رہا ہے "** { اس حدیث کا ذکر اگلی سطور میں آرہا ہے } اس کے بعد امام بغوی رحمہ اللہ نے

---

[96] ۔فتاوی اہلحدیث، ج:۲، ص: ۶۳۳، ۶۳۴۔

[97] ۔مرعاۃ المفاتیح، ج:۳، ص:۵۱۶، فتاوی اہلحدیث، ج:۳، ص: ۶۳۴۔

[98] ۔دیکھئے مصنف عبدالرزاق، ج:۳، ص: ۱۰۵ وبعدھا مختصر قیام اللیل: ۳۲۲، ۳۲۳/ السنن الکبری للبیہقی، ج:۲، ص: ۲۱۰، ۲۱۱۔

[99] ۔مجموع الفتاوی، ج:۲۳، ص: ۱۱۸۔

[100] ۔مصنف عبدالرزاق، ج:۳، ص: ۱۱۱، بعد الروایہ نمبر: ۴۹۶۸۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قنوت نقل فرمایا ہے، [101] جس سے شاید یہ واضح کرنا ہے کہ عہد صحابہ ہی سے ائمہ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب وہ لوگ دعا کرتے اور ان کے پیچھے لوگ آمین کہتے تو وہ جمع کی ضمیر ہی استعمال کیا کرتے تھے، واللہ اعلم۔

نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ امام نماز تو پڑھا رہا ہے تمام مقتدیوں کو اور دعا کرتے وقت صرف اپنے آپ کو خاص کر رہا ہے، اس طرح تو وہ امام اس وعید کا مستحق ٹھہر رہا ہے جس کا ذکر درج ذیل حدیث میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

" ثَلاثٌ لا يَحِلُّ لأَحَدٍ أَنْ يَفْعَلَهُنَّ لاَ يَؤُمُّ رَجُلٌ قَوْمًا فَيَخُصُّ نَفْسَهُ بِالدُّعَاءِ دُونَهُمْ فَإِنْ فَعَلَ فَقَدْ خَانَهُمْ وَلاَ يَنْظُرُ فِي قَعْرِ بَيْتٍ قَبْلَ أَنْ يَسْتَأْذِنَ فَإِنْ فَعَلَ فَقَدْ دَخَلَ وَلاَ يُصَلِّي وَهُوَ حَقِنٌ حَتَّى يَتَخَفَّفَ " [102]

" تین کام کسی کے لئے جائز نہیں ہیں: ۱- کوئی شخص کسی قوم کی امامت کرائے اور اہل جماعت کو چھوڑ کر خاص اپنے لئے دعا کرے ، اگر ایسا کیا تو امام نے مقتدیوں سے خیانت کی، ۲- اجازت ملنے سے پہلے ہی کسی کے گھر میں اندر جھانکے، اگر ایسا کیا تو گویا اہل خانہ سے خیانت کی، ۳- کوئی شخص پیشاب و پائخانہ روکے ہوئے نماز پڑھے حتی کہ فراغت حاصل کرلے "۔

قطع نظر اس سے کہ یہ حدیث حسن ہے یا ضعیف تمام علماء اور شارحین حدیث نے اس سے تقریبا یہی مراد لیا ہے کہ قنوت وغیرہ میں امام کو صرف اپنی ذات کے لئے دعا نہیں کرنی چاہئے بلکہ دعا کرتے وقت مقتدیوں کا خیال کرتے ہوئے جمع متکلم کی ضمیر استعمال کرکے انہیں بھی شامل دعا کرنا چاہئے ، میں اس حدیث کی شرح سے متعلق علماء کے اقوال نقل کرکے موضوع کو طول نہیں دینا چاہتا، صرف امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ایک مختصر عبارت نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

چنانچہ امام مرحوم سے مذکورہ حدیث سے متعلق سوال کیا گیا تو اس کا تفصیلی جواب دیتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں " اور جب یہ بات واضح ہوگئی تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث اگر صحیح ہے تو اس سے مراد امام کی وہ دعا ہے جس پر مقتدی آمین بول رہے ہوں، جیسے دعائے قنوت، اس لئے کہ جب مقتدی آمین بولتا ہے تو گویا وہ بھی دعا کر رہا ہے، چنانچہ اللہ تعالی حضرت موسی وہارون علیہما السلام سے متعلق ارشاد فرماتا ہے: " قد اجیبت دعوتکما " تم دونوں کی دعا قبول ہوئی، حالانکہ ان میں سے ایک صاحب یعنی حضرت موسی علیہ السلام دعا کر رہے تھے اور دوسرے صاحب یعنی حضرت ہارون علیہ السلام آمین بول رہے تھے، [103]

---

[101] - شرح السنہ، ج: ۳، ص: ۱۲۸، ۱۳۱/ واضح رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی اس قنوت میں جمع کی ضمیر استعمال ہوئی ہے۔

[102] - سنن ابوداود: ۹۰، الطھارۃ/ سنن الترمذی: ۳۵۷، الصلاۃ/ مسند احمد، ج: ۵، ص: ۲۸۰، بروایت ثوبان، اس حدیث کی صحت علماء کے نزدیک مختلف فیہ رہی ہے، امام ابن تیمیہ ، امام ابن القیم اور علامہ البانی رحمہم اللہ اس حدیث کو ضعیف اور امام ترمذی، امام بغوی، علامہ احمد شاکر اور شیخ الحدیث مبارکپوری رحمہم اللہ اسے حسن بتلاتے ہیں، دیکھئے ضعیف سنن ابوداود، ج: ۱، ص: ۳۲، ۳۵ / شرح السنہ، ج: ۳، ص: ۱۳۰ / شرح سنن الترمذی، ج: ۲، ص: ۱۹۰ / المرعاۃ، ج: ۳، ص: ۵۱۷۔

[103] - شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا اشارہ سورۂ یونس میں مذکور حضرت موسی علیہ السلام کے اس قصے کی طرف ہے کہ جب حضرت موسی علیہ السلام نے دیکھا کہ فرعون اور اس کی قوم پر وعظ و نصیحت کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا اور طرح طرح کے معجزات دیکھ کر بھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تو دونوں بھائی حضرت موسی اور ہارون علیہما السلام مل کر فرعون اور قوم فرعون کے بارے میں بددعا کرنے لگے، اللہ تعالی فرماتا ہے: [وَقَالَ مُوسَى رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ(۸۸) قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعَانِّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ(۸۹)]. {یونس}.

اس طرح جب مقتدی امام کی دعا پر آمین بول رہا ہو تو امام کو جمع کی ضمیر استعمال کرنا چاہیئے۔[104]

قصہ مختصر یہ کہ دعائے قنوت اور اس طرح کی دیگر اجتماعی دعاؤں میں امام اور دعا کرنے والے کے لئے متعین ہے کہ وہ جمع کے صیغے ہی استعمال کرے ۔واللہ أعلم وعلمه أتم ۔

وما علينا إلا البلاغ المبين

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اور موسی علیہ السلام نے عرض کیا: اے ہمارے رب تو نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو طرح طرح کے مال اور سامان زینت دنیاوی زندگی میں دیئے ہیں، اے ہمارے رب ! اسی واسطے دئے ہیں کہ وہ تیری راہ سے گمراہ کریں، اے ہمارے رب ! ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے، سو یہ ایمان نہ لانے پائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھ لیں، حق تعالی نے فرمایا کہ **تم دونوں کی دعا قبول کرلی گئی سو تم ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کی راہ نہ اپناؤ جن کو علم نہیں۔**

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا اشارہ ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا: " تم دونوں کی دعا قبول کرلی گئی " حالانکہ اس سے قبل آیت میں صرف موسی علیہ السلام کے ہی دعا کرنے کا ذکر ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ دعا تو حضرت موسی علیہ السلام ہی کر رہے تھے، البتہ ان کی دعا پر حضرت ہارون علیہ السلام آمین بول رہے تھے، اسی لئے حضرت موسی علیہ السلام واحد متکلم کی ضمیر کے بجائے بار بار جمع متکلم کی ضمیر استعمال کر رہے تھے تو دعا کرنے میں دونوں بھائی شریک تھے، جس سے معلوم ہوا کہ مقتدی اگر امام کی دعا پر آمین بول رہا ہو تو گویا خود بھی دعا کر رہا ہے، اب اگر وہ دعا صرف امام کے لئے رہی اور اس میں صرف واحد متکلم کی ضمیر استعمال ہوئی تو اس کا مطلب ہوگا کہ امام اور مقتدی دونوں صرف امام ہی کے لئے دعا کر رہے ہیں۔ واللہ اعلم۔

[104] ۔مجموع الفتاوی، ج:۱۱، ص: ۱۱۸۔